

مکتبہ کاشفی و شکرانیہ علماء الراشدین العربیہ

ماہنامہ  
جمہور مسلم

# السنۃ



رجب ۱۴۳۰ھ جولائی ۲۰۰۹ء



غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

کونئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں

نزول باری تعالیٰ

صحیح بخاری کا مطالعہ اور فقہاء کا ردِ حدیث

عورت کے ایامِ مخصوصہ کی تعیین

پندرہ شعبان کی خصوصی عبادت

”شبِ براءت“ کی شرعی حیثیت

مؤلف: شمس الدین، جہلم، پاکستان

www.AhleSunnatPk.com



## اہل سنت کون؟

حافظ ابوبیکر نور پوری

امام ابو حاتم اور امام ابو زرہ رحمہ اللہ تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہوں بیان کرتے ہیں:

”ہم جہاد اور حج کا فریضہ ہر دور میں ائمہ مسلمین کے ساتھ قائم کرتے رہیں گے، ہم ائمہ مسلمین کے خلاف بغاوت کو (جائز) خیال نہیں کرتے، نہ ہی فتنہ میں قتال کو درست سمجھتے ہیں، اللہ عزوجل نے جسے ہمارا حکمران بنادیا ہے، ہم اس کی بات (غور سے) سنتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں، کبھی اطاعت سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے، نیز ہم اہل سنت والجماعت کی اتباع کرتے ہیں، شذوذ، اختلاف اور تفرقہ بازی سے اجتناب کرتے ہیں، مسلمان حکمرانوں کی سرکردگی میں جہاد نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک جاری رہے گا، کوئی طاقت اسے ختم نہیں کر سکتی، حج اور ائمہ مسلمین کو زکوٰۃ کی ادائیگی بھی اسی طرح (قیامت تک جاری رہنے والی) ہے، (مسلمان) لوگ وراثت اور دیگر احکام میں مؤمن (شار) ہوں گے، ہم نہیں جانتے کہ وہ اللہ کے ہاں کیا (مقام رکھتے) ہیں؟ تو جو یہ کہے کہ وہ حقیقی مومن ہے، وہ بدعتی ہے اور جو کہے کہ وہ اللہ کے ہاں مؤمن ہے، وہ جھوٹوں میں سے ہے اور جو کہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاتا ہے، وہ درستی پر ہے، مریجی لوگ بدعتی اور گمراہ ہیں اور قدیریہ (منکرین تقدیر) بھی گمراہ اور بدعتی ہیں، ان میں سے جو شخص یہ کہے کہ کام ہونے سے پہلے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہوتا، وہ کافر ہے، جمعی لوگ بھی کافر ہیں، رافضیوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے، خارجی اسلام سے نکل گئے ہیں، جو یہ دعویٰ کرے کہ قرآن مخلوق ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا کفر کرتا ہے جو دین سے خارج کر دیتا ہے اور جو سمجھتے بوجھتے اس کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے، جو اللہ تعالیٰ کی کلام کے بارے میں شک کرتے ہوئے توقف کر لیتا ہے، کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ یہ مخلوق ہے یا مخلوق نہیں ہے، وہ جمعی ہے، نیز جو جہالت کی بنا پر قرآن کے بارے (مخلوق ہونے یا نہ ہونے) میں توقف کرے، اسے بتایا جائے گا، (اگر شک دور نہ کرے تو اسے) بدعتی قرار دیا جائے گا، کافر نہیں کہا جائے گا، جو اس طرح کہے، میرا قرآن کا تلفظ کرنا مخلوق ہے یا میرے الفاظ کے ساتھ قرآن مخلوق ہے، وہ جمعی ہے۔

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (امام ابو حاتم رحمہ اللہ) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اہل بدعت کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث پر کچھڑا چھالتے ہیں، زنادقہ (بے دین لوگوں) کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث کو مجسمہ (جسم باری تعالیٰ کے قائل) قرار دیتے ہیں، وہ احادیث کو باطل قرار دینا چاہتے ہیں، جمعیوں کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل سنت کو مشیمہ (خالق مخلوق سے تشبیہ دینے والے) کہتے ہیں، قدیریہ (منکرین تقدیر) کی علامت یہ ہے کہ وہ اہل حدیث کو مجبرہ (انسان کو مجبور محض قرار دینے والے) کہتے ہیں، مرجئہ اہل سنت کو مخالف اور نقصان دینا کام دیتے ہیں، اور رافضیہ (غالی شیعوں) کی علامت یہ ہے کہ اہل سنت کا نام نامیہ (علی رضی اللہ عنہ کے دشمن) رکھتے ہیں، گمراہ فرقوں کا یہی کام رہا ہے، حالانکہ اہل سنت کو صرف ایک ہی نام صادق آتا ہے، ان پر بہت سے ناموں کا طلاق ناممکن ہے۔

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اور امام ابو زرہ رحمہ اللہ کو سنا کہ وہ گمراہوں اور بدعتیوں سے قطع تعلقی کرتے تھے اور ان کا سخت رد کرتے تھے، وہ احادیث کی بجائے رائے کے بل بوتے پر کتابیں لکھنے کو غلط قرار دیتے تھے، اہل کام (فلسفی و منطقی لوگوں) کے ساتھ بیٹھنے اور ان کی کتابیں پڑھنے سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اہل کام کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔“

(کتاب اصل السنة واعتقاد الدین لابن ابی حاتم)

## کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

حدیث وحی ہے، یہ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے، حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:  
وَالسُّنَّةُ أَيْضًا تَنْزِلُ عَلَيْهِ بِالْوَحْيِ، كَمَا يَنْزِلُ الْقُرْآنُ. ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سنت بھی اسی طرح وحی کے ذریعے نازل ہوتی تھی، جس طرح کہ قرآن کریم نازل ہوتا تھا۔“ (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۱۳/ ۳۶۴)  
ان کے نامور شاگرد حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى أَنْزَلَ عَلَى رَسُولِهِ وَحْيَيْنَ، وَأَوْجَبَ عَلَى عِبَادِهِ الْإِيمَانَ بِهِمَا، وَالْعَمَلَ بِمَا فِيهِمَا، وَهُمَا الْكِتَابُ وَالْحِكْمَةُ، وَقَالَ تَعَالَى: ﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (النساء: ۱۱۳) وَقَالَ تَعَالَى: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعة: ۲) وَقَالَ تَعَالَى: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ (الاحزاب: ۳۴) وَالْكِتَابُ هُوَ الْقُرْآنُ، وَالْحِكْمَةُ هِيَ السُّنَّةُ بِاتِّفَاقِ السَّلَفِ، وَمَا أَخْبَرَ بِهِ الرَّسُولُ مِنَ اللَّهِ فَهُوَ فِي وَجوبِ تَصَدِيقِهِ، وَالْإِيمَانِ بِهِ، كَمَا أَخْبَرَ بِهِ الرَّبُّ تَعَالَىٰ عَلَىٰ لِسَانِ رَسُولِهِ، هَذَا أَصْلُ مَتَّفِقٍ عَلَيْهِ بَيْنَ أَهْلِ الْإِسْلَامِ، لَا يَنْكَرُهُ إِلَّا مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ، وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ((أَلَا! إِنِّي أَوْتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ))

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر دو قسم کی وحی نازل کی ہے اور ان دونوں پر ایمان لانا اور دونوں پر عمل کرنا واجب قرار دیا ہے، وہ دونوں قسم کی وحی کتاب و حکمت ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (النساء: ۱۱۳) (اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے) اور فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعة: ۲) (وہی ذات ہے جس نے اُمی لوگوں میں اپنی طرف سے رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے)، نیز فرمایا: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ (الاحزاب: ۳۴) (اور اے نبی کی بیویو! تم اپنے گھروں میں تلاوت کی جانے والی آیات و حکمت کو یاد کرو)، سلف صالحین کا اجماعی موقف ہے کہ کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور حکمت سے مراد سنت ہے، وہ جو وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائے، وہ ایمان و عمل کے

واجب ہونے میں اسی وحی کی طرح ہے جس کی رب تعالیٰ اپنے نبی کی زبانی خبر دے، یہ اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے، اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو مسلمانوں سے خارج ہو، خود نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: (خبردار! میں قرآن اور اس کے ساتھ اسی طرح کی ایک اور چیز بھی دیا گیا ہوں)۔“ (کتاب الروح لابن قیم الجوزیہ: ۱۰۵)

سیدنا مقدم بن معدی کرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ألا! أنى أوتيت القرآن ومثله معه. “خبردار! مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اسی

طرح کی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔“ (سنن ابی داؤد: ۴۶۰۴، مسند الامام احمد: ۴/ ۱۳۷، وسندہ صحیح)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ) اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: ”أى أوتيت القرآن، وأوتيت مثله من السنة التى لم ينطق بها القرآن. “یعنی مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی طرح وہ سنت بھی دی گئی ہے جس کا قرآن میں ذکر نہ تھا۔“ (ارشاد الفحول للشوکانی: ص ۳۳)

اس حدیث مبارکہ میں نبی اکرم ﷺ نے قرآن وحدیث دونوں کو وحی قرار دیا ہے، درج ذیل حدیث سے بھی اس حدیث کا مفہوم واضح ہوتا ہے: ”ما من الأنبياء نبيّ إلا أعطى من الآيات ما مثله آمن عليه البشر، وإنما كان الذى أوتيته وحيا أوحاه الله الىّ، فأرجوا أنى أكثرهم تابعا يوم القيامة. “ہر دور میں ہر نبی کو اتنی مقدار میں نشانیاں عطا کی گئیں، جنہیں دیکھ کر لوگ ایمان لائے، بے شک جو کچھ مجھے عطا کیا گیا ہے، وہ وحی ہے، یہ وحی اللہ نے میری طرف کی ہے، میں امید کرتا ہوں کہ تابع داروں کے اعتبار سے روز قیامت دوسرے نبیوں سے سبقت لے جاؤں گا۔“ (صحیح بخاری: ۲/ ۱۰۸۰، ح: ۷۲۷۴)

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ قرآن کی طرح حدیث بھی وحی ہے اور ”منزل من اللہ“ ہے۔

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ليدخلن الجنة بشفاعتي رجل ليس بنبيّ مثل الحسين وبيعة ومضر، فقال رجل: يا رسول الله! وما بيعة من مضر؟ قال: انما أقول ما أقول. “ایک آدمی کی شفاعت سے ربیعہ اور مضر دونوں قبیلوں کی مقدار لوگ جنت میں داخل ہوں گے، ایک آدمی نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ربیعہ کی مضر قبیلے سے کیا نسبت؟ فرمایا، میں وہی کہتا ہوں جو کہلایا جاتا ہوں۔“

(مسند الامام احمد: ۵/ ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۶۷، المعجم الكبير للطبرانی: ۷۶۳۸، وسندہ صحیح)

جب اصول محدثین کے مطابق صحیح حدیث بھی وحی ہے، وہ قرآن مجید کے وحی ہونے کی تصدیق بھی کرتی ہے، پھر وہ قرآن کے مخالف کیسے؟ خوب یاد رہے کہ قطعاً وحی کے معارض ومخالف نہیں ہو سکتی۔

## نزولِ باری تعالیٰ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی اور اتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر اترتے ہیں، یہ اترنا حقیقی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت برحق ہے، یہ عقیدہ احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، ائمہ محدثین رحمہم اللہ کی تصریحات اس پر شاہد ہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ينزل ربنا تبارك وتعالى في كل ليلة الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر ، فيقول : من يدعوني ، فاستجيب له ؟ من يسألني ، فأعطيه ؟ من يستغفرني ، فأغفر له ؟  
 ”ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات جب آخری ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے، کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے معافی مانگے اور میں اسے معاف کر دوں؟“

(صحیح بخاری: ۱/ ۱۵۳، ح: ۱۱۴۵، صحیح مسلم: ۱/ ۲۵۸، ح: ۷۵۸)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں: هذا الحديث لم يختلف أهل الحديث في صحته. ”اس حدیث کی صحت کے بارے میں محدثین کرام کے ہاں کوئی اختلاف نہیں۔“  
 (التمہید لابن عبد البر: ۱۳۴/۷)

نزولِ باری تعالیٰ کے بارے میں مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں:

① سیدنا ابوسعید اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما (صحیح مسلم: ۱/ ۲۵۸، ح: ۷۵۸، صحیح بخاری: ۱/ ۱۷۲)

② سیدنا علی رضی اللہ عنہ (مسند الامام احمد: ۱/ ۲۱۷، وسندہ حسن)

حافظ منذری رحمہ اللہ (الترغیب والترہیب: ۱/ ۱۶۵) اور حافظ بیہقی (معجم الزوائد: ۱/ ۲۲۷) نے اس کی سند کو ”حسن“ کہا ہے۔

③ سیدنا جبرین مطعم رضی اللہ عنہ (مسند الامام احمد: ۴/ ۸۷، مسند الدارمی: ۱۴۸۸، السنۃ لعبد اللہ بن احمد بن حنبل: ۱۱۹۹، وسندہ صحیح)

④ رفاعہ بن عرابہ الجہنی رضی اللہ عنہ (مسند الامام احمد: ۴/ ۱۶، مسند الطیالسی: ص ۷۸۲، النزول للدارقطنی: ۶۸، وسندہ صحیح)



حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔ (الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر : ۲۸۴)

⑤ سیدنا عقبہ بن عامر رحمہ اللہ (النزول للدارقطنی : ۱۰۰، وسندہ صحیح)

احادیث احادیث نزول باری تعالیٰ کو درج ذیل ائمہ دین اور علمائے کرام رحمہ اللہ نے ”متواتر“ قرار دیا ہے:

① حافظ ذہبی رحمہ اللہ (العلو للذہبی : ص ۱۱۶، ۱۱۰) ② حافظ ابن عبد الباہدی رحمہ اللہ (الصارم المنکی : ص ۲۲۰)

③ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ (شرح حدیث النزول : ص ۱۰۷) ④ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ (مختصر الصواعق : ۲۴۸/۲)

⑤ حافظ سخاوی رحمہ اللہ (فتح المغیث : ۴۳/۳) ⑥ علامہ کتانی (نظم المتناثر : ص ۱۱۴-۱۱۵ عن السیوطی موافقا له)

**فائدہ :** حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

النزول المذكور في الحديث النبوي على قائله أفضل الصلاة والسلام ، الذي اتفق عليه الشيخان ، البخاري ومسلم ، واتفق علماء الحديث على صحته ، هو (( اذا بقي ثلث الليل الآخر )) وقد روى عن النبي صلى الله عليه وسلم من رواية جماعة كثيرة من الصحابة كما ذكرنا قبل هذا ، فهو حديث متواتر عند أهل العلم بالحديث ، والذي لا شك فيه اذا بقي ثلث الليل الآخر ، فان كان النبي صلى الله عليه وسلم قد ذكر النزول أيضا اذا مضى ثلث الليل الأول ، واذا انتصف الليل ، فقله حق ، وهو الصادق المصدوق ، ويكون النزول أنواعا ثلاثة ، الأول : اذا مضى ثلث الليل الأول ، ثم اذا انتصف وهو أبلغ ، ثم اذا بقي ثلث الليل ، وهو أبلغ الأنواع الثلاثة .

”بخاری و مسلم کی اتفاقی طور پر صحیح حدیث نبوی ﷺ میں جس نزول کا ذکر ہے، وہ اس وقت ہوتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جائے اور یہ بنی کریم ﷺ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، لہذا یہ حدیث محدثین کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک متواتر ہے، نزول کے بارے میں رات کے آخری تہائی حصے والی بات شک و شبہ سے بالاتر ہے، اگرچہ نبی اکرم ﷺ نے رات کے پہلے تہائی حصے کے گزرنے اور آدھی رات کے گزرنے کے بعد بھی نزول باری تعالیٰ کا ذکر کیا ہے، آپ ﷺ صادق و مصدوق ہیں، آپ کی بات حق ہے، چنانچہ نزول تین طرح کا ہے، ایک وہ جو رات کے پہلے تہائی حصے کے گزرنے پر ہوتا ہے، دوسرا وہ جو آدھی رات کے گزرنے پر ہوتا ہے، یہ پہلے کی نسبت زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور تیسرا نزول رات کے آخری تہائی حصہ کے باقی رہ جانے کے وقت ہوتا ہے، یہ سب سے زیادہ بلیغ ہے۔“

(مجموع الفتاوی لابن تیمیہ : ۴۷۰/۵)

شیخ الاسلام امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۱-۲۳۸ھ) فرماتے ہیں:

جمعنی وهذا المبتدع ، یعنی ابراہیم بن ابی صالح ، مجلس الأمير عبد اللہ بن طاہر ، فسألنی الأمير عن أخبار النزول ، فسردها ، فقال ابراہیم : كفرت ربّ ينزل من سماء الى سماء ، فقلت آمنت ربّ يفعل ما يشاء .

”میں اور یہ بدعتی یعنی ابراہیم بن ابی صالح امیر عبد اللہ بن طاہر کی مجلس میں جمع ہوئے ، انہوں نے مجھ سے نزول باری تعالیٰ کی احادیث پوچھیں ، میں نے بیان کر دیں ، ابراہیم کہنے لگا ، میں ایسے رب سے کفر کرتا ہوں ، جو ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف نزول کرتا ہے ، میں نے کہا ، میں اس رب پر ایمان لاتا ہوں جو وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“  
(الاسماء والصفات للبيهقي: ۱۹۷/۲، وفي نسخة: ۲۰/ ۳۷۵-۳۷۶ ح: ۹۵۱، وسند صحيح)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں: وقد قال غير واحد من أهل العلم في هذا الحديث وما يشبه هذا من الروايات من الصفات ونزول الرب تبارك وتعالى كل ليلة الى السماء الدنيا ، قالوا : قد ثبتت الروايات في هذا ، ويؤمن بها ، ولا يتوهم ، ولا يقال : كيف ؟ هكذا روى عن مالک بن أنس وسفيان بن عيينة وعبد اللہ بن المبارك أنهم قالوا في هذه الأحاديث : أمرّوها بلا كيف ، هكذا قول أهل العلم من أهل السنة والجماعة ، وأما الجهمية فأنكرت هذه الروايات ، وقالوا : هذا تشبيه .

”بہت سے اہل علم نے اس حدیث اور صفات باری تعالیٰ اور ہر رات اللہ تعالیٰ کے نزول وغیرہ پر مشتمل دوسری احادیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس بارے میں وارد ہونے والی روایات کو ثابت سمجھا جائے ، ان پر ایمان لایا جائے ، وہم نہ کیا جائے اور ان کی کیفیت کے بارے میں سوال نہ کیا جائے ، امام مالک بن انس ، امام سفيان بن عيينة اور امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے کہ انہوں نے ان صفات والی احادیث کے بارے میں فرمایا ، ان کو بلا کیفیت تسلیم کرو ، اہل سنت والجماعت کے علمائے کرام کا یہی قول ہے ، رہے چہی لوگ تو انہوں نے ان روایات کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ (صفات الہی کا اثبات) تو (خالق کی مخلوق کے ساتھ) تشبیہ ہے۔“ (جامع ترمذی ، تحت حدیث: ۶۶۲)

امام الائمہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۱۱ھ) لکھتے ہیں: باب ذكر أخبار ثابتة السند صحيحة القوام ، رواها علماء الحجاز والعراق عن النبي صلى الله عليه وسلم في نزول الرب جلّ وعلا الى السماء الدنيا كل ليلة ، نشهد شهادة مقرر بلسانه ، مصدق بقلبه ، مستيقن بما في

هذه الأخبار من ذكر نزول الرب من غير أن نصف الكيفية ، لأن نبينا المصطفى لم يصف له كيفية نزول خالقنا الى سماء الدنيا ، وأعلمنا أنه ينزل ، والله جلّ وعلا لم يترك ولا نبه عليه السلام بيان ما بالمسلمين الحاجة اليه من أمر دينهم ، فحن قائلون مصدقون بما في هذه الأخبار من ذكر النزول غير متكلفين القول بصفته أو بصفة الكيفية اذ النبي صلى الله عليه وسلم لم يصف لنا كيفية النزول .

”ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول باری تعالیٰ کے بارے میں ان احادیث کا بیان جن کی سند ثابت ہے اور ان کی اصل صحیح ہے، ہم زبان کے اقرار، دل کی تصدیق اور یقین کے ساتھ ان احادیث میں موجود نزول باری تعالیٰ کے عقیدے کی بغیر کیفیت بیان کیے گواہی دیتے ہیں، کیونکہ ہمارے نبی مصطفیٰ ﷺ نے ہمارے خالق کے نزول کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی، پھر یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ نے کسی ایسی بات کی وضاحت نہیں چھوڑی جس کی مسلمانوں کو دینی معاملات میں ضرورت تھی، چنانچہ ہم ان احادیث میں موجود نزول باری تعالیٰ کے قائل ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں، نزول کی کیفیت بیان کرنے کا تکلف نہیں کرتے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں نزول کی کیفیت بیان نہیں کی۔“ (کتاب التوحید لابن خزيمة: ۱/ ۲۸۹-۲۹۰)

امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ (۳۲۴ھ) لکھتے ہیں:

ويصدقون بالأحاديث التي جاءت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم : ان الله ينزل الى السماء الدنيا ، فيقول : هل من مستغفر ، كما جاء في الحديث .

”وہ (اہل سنت والجماعت) اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کی جانے والی ان احادیث کی تصدیق کرتے ہیں جن میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے، ہے کوئی معافی مانگنے والا؟ جس طرح کہ اس حدیث میں آیا ہے۔“ (مقالات الاسلاميين: ۱/ ۲۹۵)

امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) کہتے ہیں:

باب الايمان والتصديق بأن الله عز وجل ينزل الى السماء الدنيا كل ليلة ، الايمان بهذا واجب ، ولا يسمع المسلم العاقل أن يقول : كيف ينزل ؟ ولا يرد هذا ألا المعتزلة .

”اس بات پر ایمان و تصدیق کا بیان کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اس پر ایمان لانا واجب ہے، کسی عقل مند مسلمان کے لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح نزول فرماتا ہے؟ ان



باتوں میں صرف معزلی لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔“ (الشريعة: ۹۳/۲)

امام ابوسعید عثمان بن سعید الداری رضی اللہ عنہ (م ۲۸۰ھ) لکھتے ہیں: فَمَمَّا يَعتبر به من كتاب الله عزّ وجلّ في النزول ، ويحتجّ به على من أنكره ، قوله تعالى: ﴿هَلْ يُنظَرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ﴾ (البقرة: ۲۱۰) ، فالَّذِي يَقدر على النزول يوم القيامة من السماوات كلّها ، ليفصل بين عباده ، قادر أن ينزل كلّ ليلة من سماء الى سماء ، فان رَدّوا قول رسول الله صَلَّى الله عليه وسلّم في النزول ، فما يصنعون بقول الله عزّ وجلّ ، تبارك وتعالى .

”جن آیات سے نزولِ باری تعالیٰ کا اثبات اور مخالفین کا رد ہوتا ہے، ان میں سے ایک یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هَلْ يُنظَرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ﴾ (البقرة: ۲۱۰) (کیا وہ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بادلوں کے سایوں میں ان کا فیصلہ کرنے کے لیے آجائیں؟)، پس وہ اللہ تعالیٰ جو قیامت کے دن اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے سب آسمانوں سے نزول فرما سکتا ہے، وہ ہر رات ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف نزول فرمانے پر بھی قادر ہے، اگر وہ (مکرر نزولِ باری تعالیٰ) اللہ کے رسول ﷺ کی بات کو ٹھکرا دیں گے تو اس فرمانِ الہی کا کیا جواب دیں گے؟“ (الرد على الجهمية للدارمی: ص ۷۴)

امام عبدالرحمن بن اسماعیل الصابونی رضی اللہ عنہ (م ۴۴۹ھ) فرماتے ہیں: وثبت أصحاب الحديث نزول الربّ سبحانه وتعالى كلّ ليلة الى السماء الدنيا من غير تشبيه له بنزول المخلوقين ، ولا تمثيل ، ولا تكيف ، بل يثبتون ما أثبتته رسول الله صَلَّى الله عليه وسلّم وينتهون فيه اليه ، ويمروّن الخبر الصحيح الوارد بذكره على ظاهره ، ويكلون علمه الى الله .

”محدثین ہر رات آسمانِ دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کے نزول کو ثابت کرتے ہیں، بغیر مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیئے، بغیر مثال و کیفیت بیان کیے، بلکہ وہ اس چیز کو ثابت کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے اور وہ اس بارے میں انہی پر اکتفاء کرتے ہیں، نیز وہ نزولِ الہی کے بارے میں وارد ہونے والی صحیح حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کرتے ہیں (کوئی تاویل نہیں کرتے) اور اس (کی کیفیت وغیرہ) کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔“ (عقيدة السلف اصحاب الحديث: ص ۴۰)

نیز لکھتے ہیں: فلما صحّ خبر النزول عن الرسول صَلَّى الله عليه وسلّم أقرّ به أهل

السَّنة، وقبلوا الخبر، وأثبتوا النُّزول على ما قاله رسول الله صَلَّى الله عليه وسلَّم، ولم يعتقدوا تشبيها له بنزول خلقه، ولم يحثوا عن كَيْفِيَّتِهِ، اذ لا سبيل اليها بحال، وعلّموا، وتحقّقوا، واعتقدوا أنّ صفات الله سبحانه وتعالى لا تشبه صفات الخلق، كما أنّ ذاته لا تشبه ذات الخلق، تعالى الله عما يقول المشبّهة، والمعطلة علوّاً كبيراً، ولعنهم لعنا كبيراً.

”جب رسول اللہ ﷺ سے نزول باری تعالیٰ کے بارے میں حدیث صحیح ثابت ہوگئی ہے تو اہل سنت نے اس کا اقرار کر لیا اور فرمانِ رسول کے مطابق نزول کا اثبات کیا، انہوں نے اس میں مخلوق کے ساتھ تشبیہ کا اعتقاد نہیں رکھا، نہ اس کی کیفیت کے بارے میں بحث کی ہے، کیونکہ اس کی معرفت کی طرف کوئی راستہ نہیں ہے، انہوں نے اس بات کا علم و یقین حاصل کیا اور اس پر اعتقاد قائم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات سے مشابہت نہیں رکھتی، جیسا کہ اس کی ذات مخلوق کی ذات سے مشابہت نہیں رکھتی، اللہ تعالیٰ مشبہہ (صفات الہی کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے والوں) اور معطلة (صفات الہی کا انکار کرنے والوں) کی باتوں سے بہت بلند ہے۔“ (عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث: ص ۵۸)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں: والَّذِي عَلَيْهِ جُمُهورُ أئمّةِ أهلِ السَّنةِ أَنهم يقولون ينزل كما قال رسول الله صَلَّى الله عليه وسلَّم، ويصدقون بهذا الحديث، ولا يكتفون، والقول في كَيْفِيَّةِ النُّزول كالقول في كَيْفِيَّةِ الاستواء والمجىء، والحجّة في ذلك واحدة.

”جمہور ائمہ اہل سنت عقیدے میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نزول فرماتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا ہے، وہ اس حدیث کی تصدیق کرتے ہیں، لیکن کیفیت بیان نہیں کرتے، کیفیت کے بارے میں وہی بات کی جائے گی جو استواء علی العرش اور مجیئت (روزِ قیامت بندوں کے فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کے آنے) والی صفات میں کی جاتی ہے (کہ ان کی کیفیت نہ ہمیں بتائی گئی ہے اور نہ ہی اس کا سوال کیا جائے گا)، اس بارے میں دلیل ایک ہی ہے۔“ (التمهيد لابن عبد البر: ۱۴۳/۷)

توام السنۃ الامام ابوالقاسم الاصہبانی رحمہ اللہ (م ۵۳۵ھ) لکھتے ہیں: من مذهب أهل السنة: الايمان بجميع ما ثبت عن النبي صَلَّى الله عليه وسلَّم في صفات الله تعالى كحديث ينزل الله تعالى كل ليلة الى سماء الدنيا.

”اہل سنت کے مذہب میں یہ بات شامل ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں نبی اکرم ﷺ سے

جو کچھ بھی ثابت ہے، سب پر ایمان لایا جائے، جیسا کہ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول باری تعالیٰ کی حدیث ہے۔“ (الحجة فی بیان المحجة وشرح عقيدة اهل السنة : ۲۹۰۴)

نیز لکھتے ہیں: ذکر علی بن عمر الحربی فی کتاب السنة أن الله تعالى ينزل كل ليلة الى سماء الدنيا ، قاله النبي صلى الله عليه وسلم من غير أن يقال : كيف ؟ فان قيل ينزل أو يُنزل ، قيل : ينزل ، بفتح الياء وكسر الزاي ، ومن قال : يُنزل ، بضم الياء ، فقد ابتدع ، ومن قال : يُنزل نورا وضياء ، فهذا أيضا بدعة ، ورد على النبي صلى الله عليه وسلم .

”علی بن عمر الحربی رحمہ اللہ نے کتاب السنة میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اس بات کو نبی اکرم ﷺ نے بغیر کسی کیفیت کے بیان فرمایا ہے، اگر کہا جائے کہ وہ نازل ہوتا ہے یا نازل کرتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نازل ہوتا ہے، جو کہے کہ وہ نازل کرتا ہے، وہ بدعتی ہو گیا اور جو کہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ نور اور روشنی نازل کرتا ہے تو یہ بھی بدعت ہے اور نبی ﷺ کی مخالفت ہے۔“

(الحجة فی بیان المحجة وشرح عقيدة اهل السنة : ۲۴۸/۲۴۹)

امام عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ (م ۲۸۰ھ) لکھتے ہیں: فہذہ الأحادیث قد جاءت کلہا وأكثر منها فی نزول الرب تبارک وتعالیٰ فی ہذہ المواطن ، وعلى تصدیقہا والایمان بها أدرکنا أهل الفقه والبصر من مشایخنا ، لا ینکرها منهم أحد ، ولا یمتنع من روايتها ، حتی ظہرت ہذہ العصابة ، فعارضت آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برد وتشمر و لدفعہا بجد ، فقالوا : کیف نزوله هذا ؟ قلنا : لم نکلّف معرفة کیفیة نزوله فی دیننا ، ولا تعقلہ قلوبنا ، و لیس کمثلہ شیء من خلقہ ، فنشبهہ منہ فعلا أو صفة بفعالہم وصفتہم ، ولكن ینزل بقدرتہ ولطف ربوبیتہ کیف یشاء ، والکیف منہ غیر معقول ، والایمان بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نزوله واجب ، ولا یسأل الرب عما یفعل ، کیف یفعل ، وهم یسألون ، لأنه القادر علی ما یشاء أن یفعلہ کیف یشاء ، وانما یقال لفعل المخلوق الضعیف الذی لا قدرة له الا ما أقدرہ اللہ تعالیٰ علیہ کیف یصنع بہ ؟ و کیف قدر ؟ ولو کنتم آمنتم باستواء الرب علی عرشہ وارتفاعہ فوق السماء السابعة بدءا اذا خلقہا کایمان المصلین بہ لقلنا لکم : لیس نزوله من سماء الی سماء بأشدّ علیہ ولا بأعجب من استوائہ علیہا اذا خلقہا بدءا ، فکما قدر علی الأولیٰ منہما کیف یشاء ، فکذلک یقدر علی الأخریٰ کیف یشاء ، و لیس قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نزوله بأعجب من قول اللہ تبارک وتعالیٰ : ﴿ هَلْ یُنظَرُونَ إِلَّا أَنْ یَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فُیْ ظُلُلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِکَةُ ﴾ (البقرة : ۲۱۰) ومن

قوله : ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر: ۲۲) فکما يقدر على هذا يقدر على ذاك ، فهذا الناطق من قول الله عز وجل ، وذاك المحفوظ من قول رسول الله صلى الله عليه وسلم بأخبار ليس عليها غبار ، فان كنتم من عباد الله المؤمنين لزمكم الايمان بها كما آمن بها المؤمنون ، وآلا فصّرّحوا كما تضمرون ، ودعوا هذه الأغلوطات التي تلون بها ألسنتكم ، فلئن كان أهل الجهل في شك من أمركم ، إنّ أهل العلم من أمركم لعلى يقين .

”ان جگہوں میں یہ ساری کی ساری احادیث اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزول کے بارے میں ہیں، ہم نے اپنے اہل فقہ و بصیرت اساتذہ کو ان کی تصدیق کرتے اور ان پر ایمان لاتے ہی دیکھا ہے، ان میں سے کوئی ان کا انکار نہیں کرتا تھا نہ ہی ان کو بیان کرنے سے رکتا تھا، یہاں تک کہ یہ (جہمی) گروہ ظاہر ہو گیا، انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث کو رد کیا اور ان کی بڑے زور سے مخالفت کی ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ نزول کیسا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں دین میں اس کی کیفیت جاننے کا مکلف نہیں بنایا گیا، نہ ہی ہماری عقلیں اس کو سمجھ سکتی ہیں، نہ ہی مخلوق میں سے کوئی اس سے مشابہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فعل و صفت میں ان کے افعال و صفات میں تشبیہ ہی دے سکیں، البتہ (ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ) وہ اپنی قدرت اور کمال ربوبیت سے جیسے چاہتا ہے نزول فرماتا ہے، اس کی کیفیت عقل میں نہیں آسکتی، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر ایمان لانا واجب ہے، رب تعالیٰ سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیسے کرتا ہے، ہاں بندوں سے پوچھا جائے گا، کیونکہ وہ جسے چاہے، جیسے چاہے کرنے پر قادر ہے، کیسے کرنے اور کس طرح قدرت پانے کا سوال تو اس کمزور مخلوق کے بارے میں کیا جائے گا جس کے پاس کوئی قدرت و طاقت نہیں، سوائے اس قدرت کے جو اللہ تعالیٰ اسے دے، (اے جہمی گروہ!) اگر تم اللہ تعالیٰ کے آسمانوں کو پیدا کرتے وقت عرش پر مستوی ہونے اور شروع سے ہی ساتویں آسمان پر بلند ہونے پر مسلمانوں کی طرح ایمان لاتے ہو تو ہم تم سے کہتے ہیں کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف نزول آسمانوں کو پیدا کرتے وقت عرش پر مستوی ہونے سے زیادہ مشکل اور زیادہ قابل تعجب نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ پہلے معاملے (استواء) پر اپنی چاہت کے مطابق قادر ہو گیا، اسی طرح دوسرے معاملے (نزول) پر اپنی چاہت کے مطابق قادر ہو گیا، رسول کریم ﷺ کا نزول باری تعالیٰ والا فرمان اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان دو فرمانوں سے زیادہ قابل تعجب نہیں: ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ﴾ (البقرة: ۲۱۰) (وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ

اور اس کے فرشتے بادلوں کے سایوں میں آجائیں ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (الفجر: ۲۲)  
 (اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے صف در صف آئیں گے) تو جس طرح اللہ تعالیٰ ان افعال پر قادر ہے، اس  
 نزول پر بھی قادر ہے، اُدھر آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ بولتے ہیں اور ادھر یہ حدیث آپ ﷺ سے ایسی  
 سندوں کے ساتھ منقول ہے کہ جن پر کوئی اعتراض نہیں، (اے جمیو!) اگر تم اللہ کے مومن بندوں میں سے ہو تو  
 تمہارے لیے ان احادیث پر اسی طرح ایمان لانا واجب ہے جس طرح ان کے ساتھ مومن لوگ ایمان لائے،  
 ورنہ جو (کفر) دلوں میں چھپائے پھرتے ہو، اسے ظاہر کر دو اور اپنی زبانوں کے ساتھ کی جانے والی ان باطل  
 اور جھوٹی تاویلوں کو چھوڑ دو، اگر جاہل لوگ تمہارے بارے میں شک میں مبتلا ہیں تو اہل علم تو تمہارے معاملے  
 (گمراہی) میں یقین پر ہیں۔“ (الرد علی الجہمیۃ للدارمی: ص ۹۳-۹۴)

نیز فرماتے ہیں: فادعی المعارض أن الله لا ينزل بنفسه، إنما ينزل أمره ورحمته، وهو  
 على العرش، وبكل مكان من غير زوال، لأنه الحي القيوم، والقيوم بزعمه من لا يزول، فيقال  
 لهذا المعارض: وهذا أيضا من حجاج النساء والصبيان ومن ليس عنده بيان، ولا مذهبه برهان،  
 لأن أمر الله ورحمته ينزل في كل ساعة ووقت وأوان، فما بال النبي صلى الله عليه وسلم يحده  
 لنزوله الليل دون النهار؟ وبوقت من الليل شطره أو الأسحر، فأمره ورحمته يدعوان العباد الى  
 الاستغفار، أو يقدر الأمر والرحمة أن يتكلما دونه، فيقول: هل من داع، فأجيب؟ هل من  
 مستغفر، فأعفر له؟ هل من سائل، فأعطيه؟ فان قررت مذهبك لزمك أن تدعى أن الرحمة  
 والأمر هما اللذان يدعوان الى الاجابة والاستغفار بكلاهما دون الله؟ وهذا محال عند السفهاء  
 ، فكيف عند الفقهاء؟ قد علمتم ذلك، ولكن تكابرون، وما بال رحمته وأمره ينزلان من عنده  
 شطر الليل، ثم لا يمكنان إلا الى طلوع الفجر، ثم يرفعان، لأن رفاعة يرويه، يقول في حديثه:  
 حتى ينفجر الفجر، قد علمتم ان شاء الله أن هذا التاويل أبطل باطل، لا يقبله إلا كل جاهل.

”مخالف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود نزول نہیں فرماتا، بلکہ وہ خود عرش پر اور ہر جگہ رہتے ہوئے  
 بغیر اپنی جگہ چھوڑے اپنے حکم اور اپنی رحمت کو نازل فرماتا ہے، کیونکہ وہ زندہ اور قیوم ہے، اس کے خیال میں  
 قیوم وہ ہوتا ہے جو اپنی جگہ نہ چھوڑے، اس مخالف کو کہا جائے گا کہ یہ بھی عورتوں اور بچوں کے جیسی دلیل ہے،  
 نیز اس شخص کی طرح جس کے پاس کوئی بات نہ ہو، نہ ہی اس کے مذہب کی کوئی دلیل ہو، وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 کا حکم اور اس کی رحمت تو ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہے، پھر کیا بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس کے نزول کو دن کی

بجائے رات کے ساتھ خاص فرما رہے ہیں، نیز رات کا بھی نصف یا سحری کا وقت اس کے لیے مخصوص کر رہے ہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا امر لوگوں کو استغفار کا حکم دیتے ہیں اور کیا وہ دونوں چیزیں ذات الہی کے بغیر بولنے کی طاقت رکھتی ہیں کہ وہ کہیں، کیا کوئی پکارنے والا ہے، میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کیا کوئی معافی طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو معاف کروں؟ کیا کوئی سوالی ہے کہ میں اس کو عطا کروں؟ اپنے مذہب پر ثابت رہنے کے لیے یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ امر اور رحمت دونوں بول کر اجابت اور استغفار کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، یہ بات کرنا تو بیوقوفوں کے حق میں بھی ناممکن ہے، چہ جائیکہ عقل مند ایسی بات کریں؟ تمہیں اس بات کا علم ہو چکا ہے، لیکن تم تکبر کا شکار ہو چکے ہو، یہ کیا ہے کہ اس کا امر اور اس کی رحمت رات کے ایک حصے میں اترتے ہیں، پھر صرف فجر طلوع ہونے تک ٹھہر کر اٹھالیے جاتے ہیں؟ اس حدیث کے راوی سیدنا رفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نزول کا یہ معاملہ فجر کے طلوع ہونے تک جاری رہتا ہے، اللہ کی توفیق سے آپ نے جان ہی لیا ہوگا کہ یہ تاویل ابطال الا باطل ہے، اسے جاہل ہی قبول کر سکتا ہے۔“ (الرد علی المرئی: ۵۱-۵۲)

الحافظ الامام المقرئ ابو عمر و احمد بن محمد بن عبد اللہ الطلمنکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۲۹ھ) فرماتے ہیں:

وأجمعوا على أن الله ينزل كل ليلة الى سماء الدنيا ، على ما أنت به الآثار ، كيف شاء ، لا يحذون في ذلك شيئا .

”اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، نیز اس پر احادیث بھی موجود ہیں، یہ نزول اسی طرح ہے، جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، مسلمان اس بارے میں کسی (کیفیت کی) تعیین نہیں کرتے۔“ (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ : ۵۷۷/۵)

اس صراحت کے باوجود موجودہ دور میں جہم بن صفوان (م ۱۲۸ھ) کی ذریت نزول باری تعالیٰ کے متعلق احادیث کی تاویل میں پڑی ہوئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نزول کا انکار کرتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خصوصی رحمت بھیجتا ہے یا حکم نازل فرماتا ہے یا فرشتہ بھیجتا ہے یا نزول اجلال کرتا ہے وغیرہ۔

یہ تاویل قرآن، حدیث، اجماع امت اور ائمہ محدثین و سلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف ہے، اس لیے یہ باطل، بلکہ ابطال الا باطل ہے۔

اس کے باوجود یہ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے نہیں تھکتے، اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ کے بارے



میں قرآن وحدیث اجماع امت اور تمام ائمہ محدثین کے خلاف عقیدہ رکھنے والوں کو ”سنّی“ کہلانے کا کیا حق ہے؟ ہمیں ائمہ محدثین کا عقیدہ مبارک اور ان کو جہم بن صفوان (م ۲۱۸ھ)، جعد بن درہم، بشر بن غیاث المریسی (م ۲۲۸ھ)، قاضی احمد بن ابی داؤد (م ۲۴۰ھ)، واصل بن عطاء (م ۳۱۱ھ)، محمد بن حسن الشیبانی (م ۱۷۹ھ)، ابن عربی (م ۶۳۸ھ)، ابن سبعین (م ۶۶۹ھ) اور ابن سینا وغیرہ مبارک ہوں!

**تنبیہ :** اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ جب نزول فرماتے ہیں تو کیا اس وقت عرش خالی ہو جاتا ہے؟ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ سوال بدعت ہے، اس نزول کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، جس کے بارے میں شریعت خاموش ہے، ہم بھی خاموش رہیں گے، صحابہ اور محدثین اس پر سکوت کرتے ہیں، ہم بھی سکوت کرتے ہیں۔ **والصمد للہ !**

**فائدہ :** احادیث نزول باری تعالیٰ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے، ہر جگہ موجود نہیں، جیسا کہ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں: **وفیه دلیل علی أنّ اللہ عزّ وجلّ فی السّماء علی العرش من فوق سبع سموات ، كما قال الجماعة ، وهو من حجّتهم علی المعنّزلة والجهمیة فی قولهم : إنّ اللہ عزّ وجلّ فی کلّ مکان ، ولیس علی العرش .** ”نزول باری تعالیٰ کے بارے میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ عزوجل ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش پر بلند ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں، اس کے برعکس معتزلہ اور جہمیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، عرش پر بلند نہیں ہے، یہ حدیث ان کے خلاف (زبردست) حجت ہے۔“

(التمہید لابن عبد البر : ۱۲۹/۷)

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: **فعلیّ هذا أهل الحقّ .**

”اہل حق کا یہی عقیدہ ہے (کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے، ہر جگہ نہیں)۔“ (التمہید لابن عبد البر : ۸۰/۲۲)

یعنی جو اللہ تعالیٰ کو عرش پر نہیں مانتا، بلکہ ہر جگہ مانتا ہے، وہ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ بلکہ تمام محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک حق پر نہیں ہے، بلکہ باطل پرست ہے۔ **والصمد للہ علی ذلک !**

**الحاصل :** نزول باری تعالیٰ صفات باری تعالیٰ میں سے ایک صفت فعلیہ ہے اور یہ نزول حقیقی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔



## صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنہ انکارِ حدیث ①

حافظ ابویٰحییٰ نور پوری

ایک مسلمان کے لیے جس طرح قرآن کریم پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے فرامین کو بھی بلاچوں چراں تسلیم کرنا اور ان کی تعمیل کرنا بھی فرض ہے، کیونکہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا، وہاں اپنے نبی کی اطاعت و فرمانبرداری کو بھی حتمی قرار دیا ہے، اس لیے کہ کلام الہی کو سمجھنا تو صیح رسول پر موقوف ہے، مثلاً قرآن کریم میں نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے، روزہ رکھنے، حج کرنے اور دیگر شرعی احکام کو بجالانے کا اجمالی حکم موجود ہے، تفصیل اور طریقہ ادائیگی کا علم تو ارشاداتِ نبوی کی رہنمائی سے ہی ممکن ہوگا، رسول کریم ﷺ کے انہی ارشادات کو جمع و محفوظ اور ملاوٹ سے مامون رکھنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لے کر ہی محدثین نے اپنی زندگیاں وقف کیں، تب یہ ذخیرہ حدیث ہم تک پہنچا، اور پہنچتا بھی کیوں نہ کہ یہ دین ہے اور دین کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، یہی ارشاداتِ نبوی کتب احادیث کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں، ان کتب میں محدثین نے سندوں کا اہتمام کر کے ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں اس کی مثال نہیں ملتی، گویا یہ قیامت تک کے لیے اسلام کا ایک معجزہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی عظیم الشان کتاب ”صحیح بخاری“ کو جو مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوا اور تمام اہل اسلام نے متفقہ طور پر صحیح بخاری کو جس قدر کامل یقین سے قبول کیا، وہ محتاج بیان نہیں، یہی وجہ ہے کہ منکرین حدیث کو احادیثِ رسول ﷺ کا یہ صحیح ترین مجموعہ ایک آنکھ نہیں بھاتا، کیونکہ اس کتاب کی صحت ان کے انکارِ حدیث پر ضربِ کاری ہے، لہذا امتِ مسلمہ کے اتفاق کو لات مارتے ہوئے انہوں نے صحیح بخاری پر اعتراضات کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے، لیکن ان ناعاقبت اندیشوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ صحیح بخاری پر اعتراض چاند پر تھوکنے کے مترادف ہے، چنانچہ ان کے اعتراضات صحیح بخاری کی شان کم کرنے کے بجائے ان کی اپنی دروغ گوئی، لاعلمی اور جہالت کا پول کھولتے ہیں۔

پھر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان معترضین کو اپنے اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کے لیے عموماً امام بخاری رحمہ اللہ کی ذات ہی نظر آتی ہے، حالانکہ جن صحیح احادیث پر یہ لوگ حملہ کرتے ہیں، وہ امام بخاری رحمہ اللہ

کے علاوہ ان سے پہلے اور بعد کے دوسرے محدثین نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ بیان کی ہوتی ہیں، لیکن چونکہ ذخیرہ حدیث میں صحیح بخاری کو سب سے اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے، لہذا ان کی ہر چند یہ کوشش ہوتی ہے کہ احادیث نبوی کے اسی صحیح ترین مجموعہ کو مشکوک بنا دیا جائے تاکہ عوام کے ذہن سے دوسری کتب حدیث کی وقعت خود بخود ختم ہو جائے، مگر ان کی یہ کوشش کبھی بھی ثمر آور نہ ہو سکے گی۔ ان شاء اللہ !

**شیر احمد از ہر میرٹھی نامی ایک شخص نے ”صحیح بخاری کا مطالعہ، بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق و**

**تقدیر“ کے نام سے ایک ایسی ہی بے کار کوشش کی ہے، آئیے عدل و انصاف کے ترازو میں اس فضول کاوش کا وزن کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ تحقیق و تقدیر کی کسوٹی پر ان کے یہ اعتراضات پر کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ صحیح بخاری پر ان کی یہ خامہ فرسائی خود ان کی رسوائی کا سبب بنی ہے، انہوں نے صحیح بخاری کو انکارِ حدیث کی عینک لگا کر پڑھا ہے، واضح بات ہے کہ اس صورتِ حال میں اعتراضات کے سوا اور کسی ردِ عمل کی توقع نہیں ہو سکتی تھی، اس طریقے سے تو اگر کسی نے قرآن کریم کا بھی مطالعہ کیا ہے تو اسے بھی اعتراضات کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا، مشرکین مکہ نے کیا قرآن مجید پر طرح طرح کے اعتراضات نہیں کیے تھے؟ اور مزے کی بات یہ ہے کہ منکرین حدیث کی طرح منکرین قرآن کا بھی بڑا اعتراض یہی تھا کہ قرآن کا کلام الہی ہونا ہماری عقل میں نہیں آتا، یہ اللہ کی کلام نہیں، بلکہ خود گھڑ لیا گیا ہے، حالانکہ اگر قرآن کریم کے لطیف معانی ان کی عقل میں نہ آتے تھے تو ان کا فرض اپنی عقل کا قصور تسلیم کر کے اس الٹی عقل کو سیدھا کرنا تھا، نہ کہ قرآن کریم کا انکار کرنا، اب کے منکرین حدیث بھی صحیح بخاری کی احادیث پر بے نکتے اعتراضات کرتے ہوئے بڑے زور سے کہتے ہیں:**

”کیا یہ ممکن ہے؟ اگر کوئی کہے کہ یہ ممکن ہے تو محال و ناممکن، بے معنی بات ہے۔۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ یہ بات بالکل عقل میں آنے والی نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہرگز سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔“

(»صحیح بخاری کا مطالعہ« حصہ اول : ۱۴۸-۱۵۱)

حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنی عقلِ نارسا کا علاج کرواتے اور اسے اس قابل بناتے کہ احادیث نبویہ ان کی سمجھ میں آجائیں، لیکن انہوں نے ان پر اعتراضات کرنے کی ٹھان لی ہے، اگر اسی طرح کوئی منکر قرآن کہہ دے کہ قیامت وغیرہ کے حالات کے بارے میں قرآنی تبصرہ جات میری عقل تسلیم نہیں کرتی تو کیا وہ حق پر ہوگا؟ جو جواب قرآن کریم کی طرف سے منکرین قرآن کو دیا جائے گا، وہی صحیح حدیث کی طرف سے منکرین

حدیث کو دے دیا جائے گا۔

پھر اس سے بڑھ کر عقل کا دشمن کون ہوگا جو آج اٹھ کر امام بخاری سمیت تمام محدثین و فقہاء اور سلف صالحین کو فہم حدیث سے کورا قرار دے کر خود کو بڑا محقق و ناقد خیال کرتا پھرے، جیسا کہ شبیر احمد ازہر میرٹھی صاحب نے لکھا ہے:

”اسے پڑھنے والوں کے دلوں میں یہ خلش ضرور پیدا ہوگی کہ صحیح بخاری بڑی معروف و مستند اور مقبول عام کتاب ہے، جب سے یہ کتاب معرض وجود میں آئی ہے، ہر دور میں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ علم مدارس دینیہ میں صحیح بخاری پڑھنے سننے کا شرف حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور سند و دستار فضیلت پانے ہیں، بلند پایہ علمائے کرام کے جم غفیر نے یکے بعد دیگرے اس کی مبسوط شرحیں لکھی ہیں، لیکن کسی شارح، کسی محقق اور کسی مستند عالم نے یہ کہنے کی جسارت نہیں کی کہ اس اصحّ الکتاب بعد کتاب اللہ میں بے سرو پا اور باطل حدیثیں بھی ہیں، جو بات متقدمین و متاخرین علمائے عظام میں سے کسی پر نہیں کھلی، وہ اس کس مپرس شخص شبیر احمد ازہر میرٹھی پر کیسے کھل گئی؟۔۔۔

۔۔۔۔ ٹھیک ہے کہ مجھ سے پہلے کسی نے اول سے آخر تک صحیح بخاری کی ہر حدیث کو اس انداز سے (انکار حدیث کی عینک لگا کر۔ از ناقل) نہیں پڑھا، اسی لیے کوئی صاحب نظر ان اغلاط سے واقف بھی نہیں ہوا جن سے میں واقف ہوا ہوں۔۔۔۔

اور دیگر ثقہ محدثین کی طرح بخاری کے یہاں بھی بھول چوک اور قصور بیان و غلط فہمی کی سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔۔۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ حصہ دوم: ۳۸۲-۳۸۴)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ کتنی بے باکی سے یہ ”محقق و ناقد“ صاحب سب سلف صالحین کی عقل کو ناقص قرار دیتے ہوئے اپنے آپ کو سب سے بڑا عقل مند تصور کر رہے ہیں، یہ محض ان کی خوش فہمی ہے، ورنہ عام تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ اپنے علاوہ سب لوگوں کی عقل کو مطعون کرنے والا درحقیقت خود بے عقل اور پاگل ہوتا ہے، ایسے آدمی کو پہلی ہی فرصت میں دماغی امراض کے خصوصی ہسپتال میں داخل کروادینا چاہیے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یقیناً ایک انسان تھے، ان سے خطا و نسیان کا صدور یقیناً ممکن تھا، لیکن منکرین حدیث کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم صرف ان کے صحیح کہہ دینے کی بنا پر یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ صحیح بخاری کی تمام ”مرفوع، متصل“ احادیث صحیح ہیں، بلکہ امت کے اس کی صحت پر اتفاق کر لینے کی وجہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں اور امت کا

اجماع بالاتفاق ایک معصوم شرعی دلیل ہے، کیونکہ بقول رسول کریم ﷺ امت مسلمہ کبھی گمراہی پر اجماع نہیں کر سکتی (المستدرک للحاکم: ۱/ ۲۰۰، وسندہ صحیح) ، جب کسی بات پر مسلمانوں کا اجماع ہو جائے تو یہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

نیز صحیح بخاری کی صحت پر پوری امت مسلمہ کے اجماع و اتفاق کے باوجود ان کو جو اس میں بھول چوک، قصور بیان اور غلط فہمی کی سینکڑوں مثالیں ملی ہیں تو کیا یہ خود کو غلط فہمی سے مبرا سمجھتے ہیں؟ کیا عجب ہے کہ ان کو ساری امت مسلمہ کے اتفاقی فیصلے میں جو غلط فہمیاں نظر آئی ہیں، وہ درحقیقت ان کی اپنی ہی غلط فہمیاں ہوں اور یقیناً ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے، پھر انہی غلط فہمیوں پر یہ خوش فہمی کا شکار ہوئے بیٹھے ہیں!!! اسی خوش فہمی یعنی غلط فہمی میں انہوں نے صحیح بخاری کے متعلق امت مسلمہ کے اجتماعی عقیدے کو ”ایک مبالغہ آمیز بات“ قرار دیا ہے، کہتے ہیں:

”عموماً اہل علم و نظر کو صحیح بخاری کی حدیثوں کو پرکھنے سے تین وجوہ نے روکا ہے، اول یہ کہ کسی نے اس کے متعلق یہ مبالغہ آمیز بات کہہ دی تھی کہ أصح الكتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری، ایسی ہی مبالغہ آمیز بات پہلے امام مالک کی مؤطا کے متعلق کہی گئی تھی مگر صحیح بخاری کے متعلق کہی گئی بات زیادہ پھیل گئی، بے علم واعظین اور غیر محتاط مصنفین نے اسے خوب ہوا دی۔۔۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ» حصہ دوم: ۲۸۳)

اس حدیث اور محدثین دشمنی کا کیا کیا جائے؟ ایسی عقل پر تو ماتم ہی کیا جاسکتا ہے جو امت کے کبار علمائے کرام و محدثین عظام کو بے علم واعظین اور غیر محتاط مصنفین قرار دیتی ہے، جبکہ شارح مسلم حافظ نووی، حافظ ابن الصلاح، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن ملقن اور شارح بخاری حافظ ابن حجر وغیرہم رحمہم اللہ نے صحیح بخاری کو أصح الكتب بعد کتاب اللہ قرار دیا ہے۔

یقیناً امت کے اجماع و اتفاق کو ٹھکرانے اور علمائے امت کو بے علم اور غیر محتاط قرار دینے والا شخص خود ”چور بھی کہے چور چور“ کا مصداق ”بے علم واعظ اور غیر محتاط مصنف“ ہے۔

اسی پر بس نہیں، بلکہ انہوں نے احادیث نبوی کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کرنے والے راویان حدیث اور ائمہ دین کے خلاف بکواس کر کے اپنی عقلی بھی خراب کر لی ہے، قارئین ذرا ان کی واہی تباہی ملاحظہ فرمائیں:

”عموماً راویان احادیث عقل و فہم سے بے بہرہ تھے، نقل کرنے کے لیے عقل کی ضرورت کے قائل نہ

تھے۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ» حصہ اول: ۲۷-۲۸)

یہ بھی حقیقت ہے کہ موصوف ایک ایک محدث کی شان میں گستاخی کرنا اپنا فرض منہی سمجھتے تھے، اہل اسلام کے جذبات سے کھیلے ہوئے انہوں نے محسنین اسلام اور سب مسلمانوں کے نزدیک قابل احترام کبار محدثین کے بارے میں جو کجواسات کی ہیں، ان کی ایک جھلک قارئین کی نظر کی جاتی ہے :

امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”رہے زہری سے لے کر بخاری وغیرہ تک اسے روایت کرنے والے محدثین تو ان غریبوں کو بس شیخ سے سنی ہوئی سندیں اور حدیثیں یاد کر لینے، لکھ لینے اور پھر روایت کرنے کے مشغلہ نے اتنی فرصت ہی نہ دی تھی کہ قرآن کو سمجھ بوجھ کر پڑھتے۔۔۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۳۰۵)

صحیح بخاری کی ایک حدیث کو قرآن میں تحریف قرار دیتے ہوئے یوں ہرزہ سرائی کرتے ہیں:

”وہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرما دیا ہے، ورنہ تابعین واتباع تابعین کے بعد محدثین اور راویان اخبار نے اس میں تحریفات کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۱۸۷-۱۸۲)

نیز امام بخاری رحمہ اللہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”کاش محدثین کا یہ نہایت غیر عاقلانہ طرز کار نہ ہوتا جو علم و طلب علم کے بالکل منافی ہے۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۲۸۸)

اسی طرح عقل کے ان دشمنوں نے صحیح بخاری کی دیگر بہت سی روایات کو بھی ”نامعقول، بے ہودہ، فضولیات اور الٹی سیدھی غلط سلط باتیں“ قرار دیا ہے۔ (دیکھیں صحیح بخاری کا مطالعہ: ۳۲۰، ۳۲۸، ۴۳۰)

امام مسلم رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے: ”امام مسلم نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں یہ جھوٹی

کہانی ثبت فرمادی تھی۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۳۷۴)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ کے متعلق انتہائی غلیظ زبان استعمال کی ہے، کہتے ہیں:

”اس کو تخریج کرنے کی شدید احمقانہ غلطی ابو داؤد سجری نے کی ہے“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۳۶۶)

امام ترمذی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے: ”نہ معلوم ترمذی نے یہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کر

کے کس اجر و ثواب کی توقع کی تھی؟“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۱۰۱۸)

امام ابن ماجہ اور ان کے اساتذہ رحمہم کے بارے میں ان کی ”بگ بگ“ کچھ اس طرح ہے:

”یہ بات نقل کرتے ہوئے نہ ابن ماجہ نے کچھ عقل سے کام لیا، نہ ان کے شیخ علقمہ بن عمرو داری نے، نہ

ان کے شیخ ابو بکر بن عیاش نے۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۳۸۸)



اور تو اور موصوف نے صحابہ کرام پر بھی طعن کرنے سے احتراز نہیں کیا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں: ”پھر ابو ہریرہ سے یہ غلطی ہوئی۔۔۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۲۵۴۴)

نیز صحابی رسول سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو مشکوک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”یہ حقیقت بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت براء بن عازب نابالغ اور تقریباً نو سالہ بچے تھے، اکابر صحابہ میں سے کسی سے بھی یہ حدیث مروی نہیں ہے۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۴۶۸)

صحابہ کرام کی نفوس قدسیہ کی ”غلطیاں“ نکالنے کی حرکتِ شنیعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ موصوف دراصل رافضی ہیں اور ترقیہ کر کے مسلمانوں کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں اور یوں دین اسلام کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ کاش کہ جہالت و ظلمت کے اندھیروں میں مشعلِ راہ ثابت ہونے والے سلف صالحین و محدثین کو ”بے عقل“ اور ”احمق“ کہنے والے احمقوں کی مائیں ہی بانجھ ہو جاتیں، وہ پیدا ہی نہ ہوتے، تاکہ ہمیں آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا!

پھر ان کا یہ جھوٹ بھی بکری کو اونٹ کہنے کے مترادف ہے کہ ”کوئی صاحب علم ان اغلاط سے واقف نہیں ہوا جن سے میں ہوا ہوں“، حالانکہ ہماری آئندہ کی وضاحت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ ان کے جتنے بھی بڑے بڑے اعتراضات ہیں، صدیوں پہلے محدثین نے ان کا ذکر کیا ہے اور وہ ان کے شافی و کافی جوابات دے کر بخاری کے دفاع کا فریضہ سرانجام دے چکے ہیں۔

چونکہ حدیثِ نبوی کا دفاع ہمیں محدثین کرام سے وراثت میں ملا ہے، لہذا ہر دور میں حدیث کے خلاف اٹھنے والی آواز کو اہل الحدیث نے دبایا ہے، سلف صالحین کی پیروی میں ہم بھی اس کتاب میں صحیح بخاری پر کیے گئے ایک ایک اعتراض کا جواب قرآن و سنت اور فہمِ سلف کی روشنی میں پیش کریں گے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے ان کی بے عقلی اور بے وقوفی کو نشانِ عبرت بنادیں گے۔ ان شاء اللہ

سرِ دست ہم حدیثِ افک پر وارد کیے گئے تمام اعتراضات کا منصفانہ جائزہ پیش کرتے ہیں۔

## حدیثِ افک پر اعتراضات اور ان کے جوابات :

### اجمالی جواب

بخاری و مسلم کی احادیث کے صحیح ہونے پر امت کے اجماع والی قطعی دلیل تو ہے ہی، لیکن اس سے قطع

نظر خود حدیثِ افک کی صحت پر بھی ساری امت کے محدثین کا اجماع و اتفاق ہے، شروع سے لے کر آج تک کے علماء و محدثین نے عقیدے، تفسیر، حدیث، لغت اور دیگر کتابوں میں اس حدیث سے حجت لی ہے، آئیے اس کا سرسری سا خاکہ دیکھتے ہیں:

**حدیثِ افک عقائد میں :** درج ذیل ائمہ کرام نے حدیثِ افک کو عقیدہ کی کتابوں میں ذکر کیا ہے:

① ☆ امام عبداللہ بن احمد بن حنبل (۲۱۳-۲۹۰ھ) (السنة لعبدالله بن احمد: ۱/۱۴۳)، ② ☆ امام آجری (۳۶۰ھ) (الشريعة: ۵/۱۱۹)، ③ ☆ امام بیہقی (۴۵۸ھ) (الاسماء والصفات للبيهقي: ۴۵/۲) وغیرہم رحمہم اللہ

دین میں عقیدے کی اہمیت کے معلوم نہیں، کیا جو ”کہانی شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ“ ہو، اس سے محدثین نے مسلمانوں کو عقیدہ ثابت کر کے دیا ہے؟ اس پر طرہ یہ کہ کسی ایک نے بھی ان کے اس کام کو غلط قرار نہیں دیا، کیا سلف صالحین اپنے عقیدے کی بنیاد جھوٹی کہانیوں پر رکھتے تھے۔

حدیثِ افک کو جھوٹ قرار دینا (نعوذ باللہ) سلف صالحین کو بدعقیدہ قرار دینے کی ایک خفیہ سازش ہے اور جو شخص سلف صالحین کے بارے میں ایسا ذہن رکھتا ہے، اس کی گمراہی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

**حدیثِ افک تفسیر میں :** درج ذیل علمائے تفسیر نے اس حدیث کو سورہ نور کی تفسیر میں پیش کیا ہے:

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (۳۱۰ھ) (تفسیر طبری: ۱۹/۱۲۰)، امام ابن ابی حاتم (۳۲۷ھ) (تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۰/۴۴)، حافظ ابو محمد الحسین بن مسعود بغوی (۵۱۰ھ) (معالم التنزیل: ۶/۱۷)، امام ابن کثیر (۷۰۰-۷۷۷ھ) (تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۲۷)، علامہ رازی (۵۴۴-۶۰۶ھ)، علامہ قرطبی (۶۱۷-۶۷۱ھ)، علامہ سیوطی (۸۴۹-۹۱۱ھ) وغیرہم رحمہم اللہ۔

سب مفسرین کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا، صرف اتنی بات یاد رہے کہ صحابہ کرام و تابعین عظام سے لے کر آج تک جتنے بھی مسلمانوں نے قرآن کریم کی تفاسیر لکھی ہیں، سب نے بالاتفاق سورہ نور کی آیت مبارکہ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ...﴾ (النور: ۱۱) کی تفسیر میں اسی حدیثِ افک کو ہی اس آیت کا شان نزول بتایا ہے، بلکہ اس کی صحت پر سب کا یقین بھی تھا، بعض نے اس بات کی صراحت بھی کر دی ہے، جیسا کہ

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

وسب نزولها ما رواه الأئمة من الحديث الافك الطويل في قصة عائشة رضوان الله عليها ، وهو خبر صحيح مشهور ، أغنى اشتهاؤه عن ذكره ، وسيأتى مختصرا .

”اس آیت کا شان نزول وہ لمبی حدیث افک ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے، یہ حدیث صحیح و مشہور ہے، اس کی شہرت نے یہاں اس کے تذکرے کی ضرورت کو ختم کر دیا ہے، عنقریب اس کا مختصر بیان آئے گا۔“ (تفسیر القرطبی: ۱۲ / ۱۹۷)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین الرازی (م ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:

وأجمع المسلمون على أنّ المراد ما أفك به علي عائشة .

”تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ اس آیت سے مراد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت والا واقعہ ہے۔“ (تفسیر الکبیر للرازی: ۱۱ / ۲۶۷)

ہمارا میٹھی صاحب سے سوال ہے کہ علامہ رازی سے پہلے کسی مسلمان سے اس حدیث کا انکار ثابت کریں، ورنہ اجماع امت سے کنارہ کش ہو کر قرآن و سنت کے خلاف گمراہی والا راستہ اختیار نہ کریں۔

ان سے سوال ہے کہ کیا صحابہ و تابعین اور ائمہ محدثین میں سے کسی کو آپ جتنی بھی عقل نصیب نہیں ہوئی تھی، اگر اس بات میں کوئی وزن ہوتا تو سب نہیں، چلو کوئی ایک محدث ہی آپ کی طرح یہ کہہ دیتا کہ ”افک کی کہانی جو شروع سے آخر تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔“

ایسی عقل تو اللہ تعالیٰ کسی دشمن کو بھی نہ دے جو ساری کائنات کی عقلوں کو ناقص قرار دے کر اپنے آپ کو کامل قرار دے!!!

**حدیث افک کتب حدیث میں :**

ہے، ائمہ محدثین بالتواتر حدیث افک کو اپنی کتابوں میں درج فرماتے آئے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ سے پہلے درج ذیل محدثین نے اس حدیث کو اپنی سند سے بیان کیا تھا:

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی (۱۲۶-۲۱۱ھ) (مصنف عبد الرزاق: ۵ / ۴۱۰) ، امام حمیدی (م ۲۱۹ھ) (مسند

الحمیدی) : ، امام اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ) (مسند اسحاق بن راہویہ: ۲ / ۵۲۵) ، امام ابن ابی شیبہ

(م ۲۳۵ھ) (مصنف ابن ابی شیبہ: ۵ / ۴۱۰) ، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) (مسند الامام احمد: ۶ / ۱۹۴) رحمہم۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصروں میں سے درج ذیل محدثین نے حدیثِ اُفک کو اپنی کتب میں جگہ دی ہے:

امام مسلم (صحیح مسلم: ۲۷۷۰)، امام ابو داؤد (سنن ابی داؤد: ۴۷۳۵)، امام نسائی (الکبریٰ: ۱۱۲۵۱)، امام ابن ماجہ (سنن ابن ماجہ: ۲۳۴۷)، امام ابن الجارود (المنتقى: ۷۲۳)، امام دارمی (سنن دارمی: ۲۴۲۳) رحمہم اللہ۔

امام موصوف کے بعد آنے والے ان محدثین کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

امام ابن حبان (صحیح ابن حبان: ۷۱۸۳)، امام بیہقی (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰/۳۷)، امام طبرانی (المعجم الکبیر للطبرانی: ۸۳/۲۳)، امام ابویعلیٰ (مسند ابی یعلیٰ: ۳۴۸/۸) رحمہم اللہ۔

پھر امت نے اس حدیث کی صحت پر اتفاق بھی کر لیا تھا، کسی نے اسے باطل یا جھوٹی نہیں کہا۔ کیا میرٹھی صاحب کے خیال میں وہ ائمہ حدیث جن کے ذریعے حدیث ان تک پہنچی ہے، سب کے سب حدیث کے فہم میں فیل تھے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو ان کے اپنے فہم کی خرابی ہے، جس کا وہ دوسروں کو الزام دے رہے ہیں، المرء یقیس علی نفسه (آدمی دوسروں کو اپنے آپ پر قیاس کرتا ہے) والا عربی مقولہ ان پر حرف بحرف صادق آرہا ہے۔

## تفصیلی جوابات

صحیح بخاری پر ان کے اعتراضات عموماً تین طرح کے ہوتے ہیں:

۱☆ اصولی اعتراضات      ۲☆ تاریخی اعتراضات      ۳☆ عقلی اعتراضات

آئیے بالترتیب ان کا جائزہ لیتے ہیں:

☆ **اصولی اعتراضات:** اس عنوان سے کوئی یہ دھوکا نہ کھا بیٹھے کہ شاید ان کے صحیح

بخاری پر یہ ”اصولی اعتراضات“ اصولوں کے مطابق ہوتے ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ان اعتراضات کا تعلق اصول حدیث سے ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ یہ نہایت بے اصولی پر مبنی ہوتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں محدثین کی قدر و قیمت کیا ہے؟ یہ تو آپ انہی کے بقول معلوم کر چکے ہیں، لہذا محدثین کے اصولوں کو ماننا ان کے کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

اس حدیث پر انہوں نے پانچ اصولی اعتراضات وارد کیے ہیں :

## اعتراض نمبر ۱ : ”ابن شہاب زہری کا بیان یہ ہے کہ میں نے یہ قصہ کچھ سعید بن مسیب

سے سنا ہے، کچھ عروہ بن زبیر سے، کچھ علقمہ بن وقاص لیشی سے، کچھ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے، ان میں سے کسی نے مجھے پورا قصہ نہیں سنایا، مگر ان چاروں سے سنی ہوئی باتوں کو جوڑنے سے پورا قصہ یہ بنتا ہے۔۔۔ پس اس اسناد میں دو قصور ہیں، اول یہ کہ راوی تو ثقہ ہیں اور زہری نے ان کا نام بتایا ہے کہ وہ فلاں اور فلاں چار اشخاص ہیں، لیکن ان میں سے کسی بھی راوی کی بیان کردہ بات زہری نے متعین طور پر نہیں بتائی، پس راوی معلوم ہے اور مروی مجہول اور یہ ضعف کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، جیسے وہ روایت ضعیف و غیر معتبر ہے جس میں راوی مجہول اور مروی معلوم ہو، اسی طرح وہ روایت بھی ضعیف و غیر معتبر ہے جس میں

راوی معلوم ہو اور مروی مجہول ہو۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ» حصہ اول: ۱۷۴-۱۷۵)

## جواب :

یہ اتنا ہی بڑا ہی جھوٹ ہے جتنا دن کو رات قرار دینا، اگر اس ”اصول“ کی کوئی دلیل ہوتی تو پیش کی جاتی، نہ معلوم اسے ”ضعف کے اسباب میں سے ایک سبب“ کس نے شمار کیا ہے؟ ورنہ عقل سے بھی کام لیا جائے تو بھی یہی معلوم ہوگا کہ ہر جگہ مروی کا مجہول ہونا روایت کے ”ضعف“ کا سبب نہیں بنتا، کیونکہ اگر چار راویوں میں سے کوئی ایک یا زائد راوی ناقابل اعتبار ہوں اور سب کی بات اکٹھی بیان کر دی جائے تو پھر روایت کے جس حصے سے بھی استدلال کیا جائے گا، وہاں احتمال ہوگا کہ شاید یہ ”ضعیف“ راوی کا بیان کردہ ہو، لیکن جب چاروں راوی ”ثقہ“ ہوں تو پھر جس حصے سے بھی دلیل لی جائے، کوئی اعتراض عقلی طور پر بھی وارد نہیں ہونا چاہیے، رہی اصول محدثین کی بات تو آج تک کسی محدث نے ایسی صورت میں روایت کے ”ضعیف“ ہونے کا حکم نہیں لگایا، بلکہ وہ اسے موجب جرح خیال نہیں کرتے تھے، جیسا کہ اسی حدیث افک کی صحت پر محدثین، مفسرین اور دوسرے علمائے دین کا اجماع و اتفاق کرنا ہم نے بیان کر دیا، کوئی منکر حدیث دنیا کے کسی ایک محدث سے بھی حدیث افک کا ”ضعیف“ ہونا ثابت تو کرے، الحمد للہ! ہماری اس بحث سے محدثین کرام کا ایک اجماعی و اتفاقی اصول ثابت ہو گیا ہے کہ جب سب راوی معلوم و ”ثقہ“ ہوں اور مروی، یعنی روایت کردہ حدیث مجہول ہو تو اس پر کوئی کلام نہیں ہوگی، اس کو ”ضعیف“ کہنے والا مسلمانوں کی راہ سے ہٹا ہوا گمراہ اور شیطان کا ہمنوا ہے۔

## اعتراض نمبر ۲ : ”دوسرا تصور یہ ہے کہ ان چاروں میں سے کسی راوی کی یہ تصریح مذکور نہیں

کہ اس نے خود ام المؤمنین سے یہ قصہ سنا تھا اور ظاہر عبارت سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ ان چاروں کو دیگر اشخاص نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کر کے یہ قصہ سنایا تھا، کیونکہ اگر سعید بن مسیب و علقمہ بن وقاص و عروہ بن زبیر و عبید اللہ بن عبد اللہ نے راہ راست حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ سنا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی: ذکروا أَنَّهُمْ سَمِعُوا عَائِشَةَ الصَّدِيقَةَ تَقُولُ يَا ذَكَرُوا أَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُمْ، قالت.. پس فی الواقع یہ زہری کی مرسل یعنی منقطع روایت ہے، یعنی ہم یہ تو یقین رکھتے ہیں کہ زہری نے یہ داستان خود نہیں گھڑی، بلکہ فی الواقع مجموعی طور پر یہ داستان زہری نے سعید بن مسیب و عروہ بن زبیر و علقمہ و عبید اللہ بن عبد اللہ سے سنی تھی، لیکن ان چاروں شخصوں نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ قصہ نہیں سنا تھا، بعض اشخاص نے انہیں بتا دیا تھا کہ ام المؤمنین نے یہ بیان کیا تھا، وہ کون اشخاص تھے؟ اس کا علم نہیں، پس سند کے اعتبار سے یہ روایت کے زہری کی مرسل روایات میں سے ہے جو بہ اتفاق اہل علم با قابل اعتماد اور عموماً غلط ہوتی ہیں، اہل علم نے کہا ہے: «مراسیل الزہری شرّ المراسیل.» (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۱۷۵-۱۷۶)

**جواب :** یہ اعتراض منکرین حدیث کے اصول حدیث سے لاعلم ہونے کی واضح دلیل ہے، کیونکہ محدثین نے روایت کے صحیح ہونے کے لیے سماع کی تصریح کی شرط صرف خاص قسم کے راویوں کے لیے لگائی ہے، جن کو اصطلاح محدثین میں ”مُدَّلس“ کہتے ہیں، یعنی ایسے راوی جو اپنے استاذ کا نام چھوڑ کر ایسے اگلے راوی سے سماع کے احتمال والے لفظوں کے ساتھ حدیث بیان کر دیتے ہیں، جس سے انہوں نے اور احادیث تو سنی ہوتی ہیں، لیکن یہ حدیث نہیں سنی ہوتی، اور الحمد للہ صحیح بخاری کے ان چاروں راویوں میں سے ایک بھی راوی ایسا نہیں جو ”مُدَّلس“ ہو، اگر منکرین حدیث میں ہمت ہو تو آزمائیں، ورنہ صحیح بخاری جو امت کے اجماعی فیصلے کے مطابق صحیح ہے، اس پر فضول اور جاہلانہ اعتراضات نہ کریں۔

**منکرین حدیث کی جہالت مطلق :** اس اعتراض سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منکرین حدیث اصول حدیث سے تھوڑا بہت نہیں، بلکہ مطلق طور پر جاہل ہوتے ہیں، رہی عقل کی بات تو صحیح بخاری کی مخالفت نے ان کی رہی سہی ”مُت“ بھی ماردی ہے، ملاحظہ فرمائیں کہ میرٹھی صاحب نے اس روایت کو زہری کی مراسیل میں سے شمار کیا ہے، حالانکہ اولاً تو راجح قول کے مطابق ”مرسل“ کی تعریف یہ ہے کہ کوئی تابعی ذاریکٹ رسول کریم ﷺ سے روایت کرے، لہذا یہ روایت ”مرسل“ ہے ہی نہیں،



بلکہ ”منقطع“ ہے، **ثانیاً** اگر اس ”منقطع“ روایت کو مرجوح قول کے مطابق ”مرسل“ شمار کر بھی لیا جائے تو بھی یہ ”زہری کی مرسل“ نہیں ہوگی، زہری کی ”مرسل“ وہ ہوگی جو زہری ایسے راوی سے بیان کرے، جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو، حالانکہ خود منکر حدیث صاحب صراحت کر رہے ہیں کہ امام زہری نے یہ روایت مجموعی طور پر ان چاروں اساتذہ سے سنی ہے، **ثالثاً** محدثین اہل علم کا یہ جو قول زہری کی مراسیل کے بارے میں پیش کیا گیا ہے، وہ زہری کی ان روایات کے بارے میں ہے جو زہری نے ڈائریکٹ رسول کریم ﷺ سے بیان کی ہیں، نہ کہ ان روایات کے بارے میں جو زہری رحمہ اللہ نے اپنے اساتذہ سے سنی ہیں، اگر سند میں موجود اوپر والے راویوں کا ارسال پچھلے راویوں کی طرف منسوب کرنا صحیح ہو تو پھر اسے منکرین حدیث کے مطابق ”مرسل بخاری“ کہنا زیادہ بجا ہونا چاہیے نہ کہ ”مرسل زہری“۔

یہ ہے منکرین حدیث کا مبلغ علم اور اعتراض کرتے ہیں امت کے اجماعی فیصلے ”صحیح بخاری“ پر!

### اعتراض نمبر ۳: ”زہری کی یہ روایت غزوہ بنی المصطلق کے تحت جو امام بخاری نے درج

فرمائی ہے، اس میں ہے۔۔۔ اُخْبِرْتُ أَنَّهُ كَانَ يَشَاعُ وَيَتَحَدَّثُ بِهِ عِنْدَهُ ....

اُخْبِرْتُ کے معنی ہیں، مجھے خبر دی گئی، کس نے دی اس کا ذکر نہیں، لَمْ يُسَمَّ مِنْ أَهْلِ الْأَفْكَ... کے معنی ہیں، افک والوں کے بارے میں سے صرف تین شخصوں کا نام زد ذکر کیا گیا ہے۔۔۔۔ اب ظاہر ہے کہ اگر عروہ نے قصۂ افک خود اپنی خالہ حضرت عائشہ سے سنا ہوتا تو اُخْبِرْتَنِي کہتے، اُخْبِرْتُ نہ کہتے اور لَمْ تُسَمَّ بصیغہ مؤنث معروف کہتے۔۔۔۔ پس بے شک عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگنے والی داستان سنی تھی، مگر خود حضرت عائشہ سے نہیں، بلکہ کسی اور شخص یا اشخاص سے جن کا نام انہوں نے ذکر نہیں کیا اور جب عروہ نے یہ داستان حضرت عائشہ سے نہیں سنی حالانکہ وہ ام المؤمنین کے قریبی عزیز یعنی بھانجے تھے تو سعید بن مسیب وغیرہ کا سننا تو اور بھی مستبعد ہے۔۔۔“ (»صحیح بخاری کا مطالعہ«: ۱۷۵/۱-۱۷۷)

**جواب:** جھوٹ بولنے میں جن کو عار نہیں ان کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ عروہ رحمہ اللہ کے یہ لفظ کہ ”مجھے خبر دی گئی“ امام زہری نے حدیث بیان کرتے وقت بیان ہی نہیں کیے، بلکہ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات ذکر کی جس میں یہ لفظ ہیں، حدیث کے شروع میں تو عروہ، سعید بن مسیب، علقمہ اور عبد اللہ بن مسیب سب سے لفظ ”عن“ کے ساتھ روایت ہے، جو کہ

اصولِ محدثین کے مطابق غیر مدلس راوی کی طرف سے بولا گیا ہو تو بالاجماع اتصال شمار ہوتا ہے، لہذا حدیث دشمنی نے ان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ اس صیغہ مجہول کی نسبت ساری حدیث کی طرف کر دیں جو صرف ایک جملے میں بولا گیا ہے، ورنہ حدیث بیان کرتے وقت راویوں کے ایسے جملہ معترضہ کو اصطلاح میں ”ادراج“ کہتے ہیں، جو کہ حدیث کے ادنیٰ سے طالب علم سے بھی مخفی نہیں، اس لیے اسی جملہ معترضہ پر ساری حدیث کو محمول کرنا اصولِ حدیث سے جہالت اور بہت بڑی بے اصولی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر پوری حدیث عروہ رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کرتے تو سب سے پہلے محدثین اس پر مطلع ہوتے، کیونکہ صاحب البیت ادریٰ بما فیہ (گھر والا اپنے گھر کی زیادہ خبر رکھتا ہے)۔

بھلا ان منکرین حدیث کو علل حدیث سے کیا معرفت جو ”مرسل“ اور ”منقطع“ حدیث کا فرق بھی نہیں سمجھتے، نیز جن کو ادراج کی تعریف بھی نہیں آتی، نہ ان کو ”اتصال“ و ”انقطاع“ کا فرق معلوم ہے؟؟؟

تیسری بات یہ ہے کہ اگر کبھی منکرین حدیث کی عقل ٹھکانے آئے تو ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کریں کہ وہ ”بے شک عروہ نے حضرت عائشہ پر لگنے کی داستان سنی تھی، لیکن خود عائشہ سے نہیں۔۔۔“ کہہ کر خود اپنے آپ کو بے وقوفی کا سرٹیفکیٹ دے بیٹھے ہیں، کیونکہ خود انہوں نے ہی لکھا ہے:

”ان لوگوں (خارجیوں) نے اسے اس انداز سے مرتب کیا کہ اسے حضرت ام المومنین کے حق میں ہجو ملیج (میٹھی میٹھی مذمت) کہنا بے جا نہ ہوگا۔۔۔ سفر میں گم شدگی کی جو کہانی اس میں پیوست کر دی گئی ہے، وہ بڑی بھاری ہجو و مذمت کی چیز ہے، پھر بریرہ خادمہ کی زبانی ان خبیثوں نے ام المومنین کا پھوڑا اور بے سلیقہ ہونا ظاہر کیا ہے۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۱۸۲۸)

جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے نے بلاشبہ اس حدیث کو کسی اور سے سنا اور اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی موجود تھی تو عقل کے دشمن منکرین حدیث بتائیں کہ اپنی خالہ کی عزت کا احساس عروہ تابعی رضی اللہ عنہ کونہ تھا، اگر تھا تو پھر اس ”گستاخی“ والی روایت کو آگے روایت کیوں کیا؟؟؟

یا پھر وہ یوں کہیں گے کہ ”عموماً راویان حدیث عقل و فہم سے بے بہرہ تھے، وہ نقل کرنے کے لیے عقل کی ضرورت کے قائل نہ تھے۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۳۷۸-۳۸)

تو کوئی بات نہیں کہ پاگل اور بے وقوف عموماً اپنے علاوہ سب لوگوں کو بے عقل ہی سمجھتے ہیں!!!

**اعتراض نمبر ۴:** ”(روایت ابواسامہ) امام بخاری نے اسے بطور حدیث نہیں، بلکہ زہری

کی تائید میں تعلیقاً ذکر کیا ہے۔۔۔۔۔ اوپر عروہ کی تصریح گزری کہ عروہ نے یہ قصہ براہ راست حضرت عائشہ سے نہیں سنا تھا، بعض اشخاص سے سنا تھا، پس یہ روایت بھی مرسل ہی ہے، جو زہری کی روایت سے مختلف ومتعارض بھی ہے۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۱۷۷)

**جواب :** قارئین! منکرِ حدیث صاحب خود کہہ رہے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بطور حدیث ذکر ہی نہیں کیا، بلکہ تعلیقاً ذکر کیا ہے اور بذاتِ خود ٹائٹل پر لکھا بھی ہے کہ ”بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق و تنقید“ تو پھر جب یہ حدیث ہے ہی نہیں تو اس کو ”ضعیف“ اور ”متعارض“ قرار دینے کے لیے ورق کالے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسے ہی کہتے ہیں ”دروغ گور احافظ نہ باشد!“

**اعتراض نمبر ۵ :** منکر حدیث صاحب ”روایت امِ رومان“ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

”حضرت امِ رومان ام المؤمنین حضرت عائشہ کی والدہ اور حضرت ابوبکر کی بیوی تھیں، ان کی طرف منسوب کر کے اسے مسروق بن اجدع تابعی نے نقل کیا ہے اور مسروق نے امِ رومان کا زمانہ نہیں پایا، امِ رومان کی وفات حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی، سن وفات غالباً ۶ھ ہے، لامحالہ مسروق نے اسے کسی اور شخص سے سنا ہوگا، اس نے حضرت امِ رومان کی طرف منسوب کر کے اس کو بیان کر کیا تھا، مسروق نے اس شخص کا نام نہیں لیا کہ وہ کون تھا، کیسا تھا، اسی لیے امام مسلم نے اس روایت کو درج صحیح نہیں کیا، کیونکہ یہ سند صحیح نہیں ہے، مرسل ہے، مگر امام بخاری کو اس کی اسناد میں ابوعوانہ و محمد بن فضیل کے وہم کی وجہ سے دھوکا لگ گیا۔۔۔۔۔

مسروق نے اسے حَدَّثْتُ اُمَ دُرُومَانَ (امِ دُرُومَانَ نے بیان کیا)، ابو حوٰنہ نے اِزْرُوئے وِہْمَ اسے حَدَّثَنِی اُمَ دُرُومَانَ بنا دیا (مجھ سے امِ دُرُومَانَ نے بیان کیا)۔۔۔۔ اور محمد بن فضیل نے اسے (سُئِلْتُ) کو غلط پڑھ کر سَأَلْتُ اُمَ دُرُومَانَ سمجھ لیا اور اسے ہی نقل کر دیا۔۔۔ الغرض امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دھوکا کھا کر اس روایت کو متصل گمان کر کے درج صحیح کر دیا ہے، حالانکہ یہ مرسل ہے، اہل علم نے امام بخاری پر اس بارے میں بجا گرفت کی ہے، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری کی اس روایت کے بارے میں لکھا ہے۔۔۔۔۔ الحاصل صحیح بخاری میں حضرت عائشہ پر بہتان لگنے کا جو قصہ مسروق سے مروی ہے تو اسے مجھ سے بہت پہلے اہل علم نے غیر صحیح بتایا ہے۔“ (صحیح بخاری کا مطالعہ: ۱۷۸۸-۱۷۹۰)

## جواب :

منکرین حدیث کو بعض اہل علم کا غیر صحیح بتانا تو ”بجا“ نظر آگیا، لیکن یہ نظر نہ آیا کہ صحیح

بخاری کی صحت پر امت مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے، نیز علمائے کرام نے اس روایت پر اعتراض کا جو جواب دیا وہ دلائل کی رو سے روز روشن کی طرح واضح ہے، وہاں انہوں نے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے سمجھا ہے کہ شاید ہم امام بخاری رحمہ اللہ پر اعتراض کر کے صحیح سلامت نکل جائیں گے اور کوئی انہیں لگام دینے والا نہ ہوگا، اسے ”متصل“ اور ”صحیح“ قرار دینے والوں کے دلائل بغیر ڈکار کے ہضم کر گئے ہیں، حالانکہ اس اختلاف میں حق امام بخاری رحمہ اللہ اور ان ائمہ دین کے ساتھ ہی ہے جو اس حدیث کو صحیح قرار دینے والے ہیں:

❁ علامہ شمس الدین ابن قیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) اس حدیث کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال آخرون : كل هذا لا يرد الرواية الصحيحة التي أدخلها البخاري في صحيحه ، وقد قال ابراهيم الحربي وغيره : أن مسروقاً سألها وله خمس عشرة سنة ومات وله ثمان وسبعون سنة ، وأم رومان أقدم من حدث عنه .

”دوسرے (امام بخاری کے ہم نوا) علمائے کرام کا کہنا ہے کہ یہ سارے اعتراضات بھی اس روایت کو رد کرنے کا موجب نہیں بن سکتے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں درج کر دیا ہے، ابراہیم حربی کہتے ہیں، مسروق نے پندرہ سال کی عمر میں سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تھا اور جب وہ فوت ہوئے تو ان کی عمر اٹھتر سال تھی، سب سے پہلے انہوں نے ام رومان سے ہی احادیث سنی ہیں۔“ (زاد المعاد : ۳/۳۳۷)

رہی یہ بات کہ سیدہ ام رومان رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئی تھیں اور رسول کریم ﷺ ان کی قبر میں اترے تھے، تو اس کی حیثیت ایک افسانے سے زیادہ نہیں، کیونکہ یہ بات پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی، ان باتوں کے معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس غلط بنیاد پر صحیح بخاری پر اعتراض کرنا اور محدث ابو عوانہ و محمد بن فضیل پر وہم کھانے اور غلط سلسلہ پڑھنے کا الزام لگانا دراصل اپنی بدبختی کو دعوت دینا ہے۔

❁ حافظ ابو نعیم الاصبہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قيل : انها توفيت في عهد النبي صلى الله عليه وسلم ، وهو وهم ، روى عنها مسروق .

”کہا گیا ہے کہ وہ (ام رومان) نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ہی فوت ہو گئی تھیں، لیکن یہ وہم

ہے، کیونکہ ان سے مسروق نے روایت کی ہے (اور وہ عہد نبوی میں موجود نہ تھے)۔“

(معرفۃ الصحابة لابی نعیم الاصبہانی : ۱۷۲/۲۴)

نیز اس کے بارے میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقالوا: أما حديث موتها في حياة رسول الله صَلَّى الله عليه وسلم ونزوله في قبرها فحديث لا يصح، وفيه علتان تمنعان صحته، أحدهما: رواية علي بن زيد بن جدعان له، وهو ضعيف الحديث، لا يحتج بحديثه، والثانية: أنه رواه عن القاسم بن محمد عن النبي صَلَّى الله عليه وسلم، والقاسم لم يدرك زمن رسول الله صَلَّى الله عليه وسلم، فكيف يقدم هذا على حديث اسناده كالشمس، يرويه البخاري في صحيحه، ويقول فيه مسروق: سألت أم رومان، فحدثتني، وهذا يرد أن يكون اللفظ: سئلت ...

”انہوں نے (محدثین نے) کہا ہے کہ ام رومان کے رسول کریم ﷺ کے دور مبارک میں فوت ہونے اور آپ کے ان کی قبر میں اترنے والی حدیث ثابت نہیں، اس میں دو کمزوریاں ہیں جو اس کے صحیح ہونے میں مانع ہیں، ایک تو یہ کہ اس کو علی بن زید بن جدعان نے بیان کیا ہے اور وہ ضعیف الحدیث ہے، اس کی حدیث دلیل نہیں بنائی جاسکتی، دوسری کمزوری یہ ہے کہ اسے قاسم بن محمد تابعی رسول کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں، حالانکہ قاسم بن محمد نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ نہیں پایا، چنانچہ اس (غیر ثابت افسانے) کو اس حدیث پر کیسے مقدم کیا جاسکتا ہے، جس کی سند سورج کی طرح روشن ہے اور اسے امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کر رہے ہیں، نیز اس میں مسروق یہ کہہ رہے ہیں، میں نے ام رومان سے سوال کیا تھا اور انہوں نے مجھے حدیث بیان کی تھی۔۔۔“ (زاد المعاد لابن القيم: ۳/۲۲۷)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ان الذي وقع في الصحيح هو الصواب والراجح، وذلك أن مستند هؤلاء في انقطاع هذا الحديث إنما هو ما روى عن علي بن زيد بن جدعان وهو ضعيف... وقد نبه البخاري في تاريخه الأوسط والصغير على أنها رواية ضعيفة... وحديث مسروق أسند، أي أصح اسناداً، وهو كما قال.. فكيف تعلّ به الروايات الصحيحة المعتمدة؟ ”بلاشبہ جو صحیح بخاری میں موجود ہے، وہی درست اور رائج ہے، کیونکہ اس حدیث کے ضعیف ہونے کے بارے میں ان (مخالفین) کی دلیل صرف علی بن زید بن جدعان کی بیان کردہ روایت ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔۔۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی التاریخ الأوسط اور التاریخ الصغير کتاب میں اس پر خبردار کیا ہے۔۔۔ اور فرمایا ہے کہ مسروق کی (ام رومان سے سماع و لقاء والی) حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ترین ہے،



## عورت کے ایام مخصوصہ کی تعیین

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

ایام حیض کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ مدت مقرر نہیں ہے، اس کا انحصار عورت کی فطرت و عادت پر ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں ان کے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں۔

”حدیث اور اہلحدیث“ نامی کتاب میں مذکور دلائل کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے:

**تقلیدی دلیل نمبر ۱ :** [عن أبی أمامة عن النبّی صلی اللہ علیہ وسلم قال :

أقلّ الحيض ثلاث وأكثره عشر . (رواہ الطبرانی فی الکبیر والوسط ، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۸۰)

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، حیض کی کم از کم مدت تین دن

اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔“ [حدیث اور اہلحدیث از انوار خورشید دیوبندی : ص ۲۳۶]

**تبصرہ :** یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، حافظ یثربی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفیه عبد الملک الکوفی عن العلاء بن کثیر ، لا ندري من هو ؟

”اس روایت میں العلاء بن کثیر سے عبد الملک الکوفی راوی بیان کرتا ہے، ہم نہیں جانتے کہ وہ کون

ہے؟“ (مجمع الزوائد: ۱/ ۲۸۰)

لیکن بعض الناس اس جرح کو ہڑپ کر گئے ہیں۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں: عبد الملک ہذا رجل مجهول ، والعلاء هو

ابن کثیر ، وهو ضعيف ، ومكحول لم يسمع من أبی أمامة شيئا .

”یہ عبد الملک نامی راوی مجہول اور العلاء بن کثیر ضعیف ہے، نیز مکحول نے سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے سماع

نہیں کیا۔“ (سنن الدارقطنی: ۱/ ۲۷۷ ح: ۸۳۵)

العلاء بن کثیر کے بارے میں امام علی بن المدینی فرماتے ہیں: ضعيف الحديث جدًا .

امام بخاری اور امام ساجی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ”منکر الحدیث“ ہے، امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے

”ضعیف“ کہا ہے، امام ابوزر عہ الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ وہی الحدیث (سخت ضعیف) ہے، امام



حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ ”ضعیف الحدیث، منکر الحدیث“ ہے، حافظ ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”العلاء بن کثیر نے مکحول سے، انہوں نے صحابہ سے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے جتنے نسخے روایت کیے ہیں، وہ سارے کے سارے غیر محفوظ ہیں، یہ منکر الحدیث راوی ہے۔“ (الکامل لابن عدی: ۵: ۱۸۶۷)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یروی الموضوعات عن الأثبات .

”یہ ثقہ راویوں سے موضوع روایات بیان کرتا تھا۔“ (المجروحین لابن حبان: ۱۸۷/۲-۱۸۲)

اس کے بارے میں توثیق کا ایک ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں ہے، لیکن بد قسمتی سے تقلیدی حضرات اس کی حدیث سے استدلال کرنے میں کوشاں ہیں۔

**تقلیدی دلیل نمبر ۲ :** [عن واثلة بن الأسقع قال : قال رسول الله صلى الله

عليه وسلم : أقلّ الحيض ثلاثة أيام ، وأكثره عشرة أيام . (دارقطنی: ج ۱ ص ۲۱۹)

”حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔“ [حدیث اور اہلحدیث: ص ۲۲۶]

**تبصرہ :** یہ روایت سخت ”ضعیف“ ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ اس کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

اس میں ابن المنہال ”مجهول“ اور محمد بن احمد بن انس ”ضعیف“ ہے۔ (سنن الدارقطنی: ۱/۲۱۹، ح: ۸۳۶)

بعض الناس نے مذہبی تعصب کی آڑ میں اس جرح کو چھپا کر خیانت علمی کا ارتکاب کیا ہے، لیکن یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں، یہ لوگ ایسی کاروائیاں کرتے ہی رہتے ہیں۔

اس روایت کی ایک اور وجہ ضعف یہ بھی ہے کہ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مکحول نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا۔ (المراسیل لابن ابی حاتم: ص ۲۱۳)

یعنی یہ روایت اگر مکحول تک ثابت بھی ہو تو ”منقطع“ ہے۔

**تقلیدی دلیل نمبر ۳ :** [عن أنس قال : أدنى الحيض ثلاثة أيام .

(رواہ الدارمی ج ۱ ص ۱۷۲، قلت رجالہ رجال مسلم، اعلاء السنن ج ۱ ص ۲۴۷)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے۔“ [حدیث اور اہلحدیث: ص ۲۲۶]

**تبصرہ :** اس کی سند ”ضعیف“ ہے، اس میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ ”مذلس“ ہیں اور فرماتے

ہیں: بلغنی عن أنس . ”مجھے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے۔“

یہ مبلغ (پہنچانے والا) نامعلوم ہے، لہذا سند ”انقطاع“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔  
 بعض الناس کا یہ کہنا کہ رجالہ رجال مسلم (اس روایت کے راوی مسلم کے راوی ہیں) انتہا درجہ کا  
 دھوکہ ہے جو صرف ایسے لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو ”منقطع“ و ”ضعیف“ اور مردود روایات سے ہی حجت  
 پکڑتے ہیں۔

## تقلیدی دلیل نمبر ۴ : [عن أنس قال : أدنى الحيض ثلاثة وأقصاه عشر .

(دارقطنی ج ۱ ص ۲۰۹)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔“

(حدیث اور اہلحدیث : ص ۲۲۷)

**تبصرہ :** یہ روایت سخت ”ضعیف“ ہے، اس میں الجبلہ بن ایوب راوی ”متروک“ ہے، بلکہ خود

امام دارقطنی نے بھی اسے ”متروک“ کہا ہے۔ (الضعفاء والمتروكون للدارقطنی : ۱۶۱)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث کسی چیز کے برابر نہیں، وہ ”ضعیف الحدیث“ ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ”ضعیف“ ہے، امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضعیف الحدیث ، یکتب حدیثہ ، ولا یحتج بہ . ”یہ ضعیف ہے، اس کی حدیث لکھی جائے گی،  
 لیکن اس سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔“

امام ابو زرہ رحمہ اللہ نے بھی اسے ”لیس بالقوی“ کہا ہے۔ (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ۵۴۹/۲)

امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے، اس پر ”توثیق“ کا ایک ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں ہے،

غالباً اسی لیے ایسے ”متروک“ راوی کی روایت بعض الناس کے حصے میں آئی ہے!

## تقلیدی دلیل نمبر ۵ : [عن الحسن أن عثمان بن أبي العاص الثقفي قال :

الحائض اذا جاوزت عشرة أيام ، فهي بمنزلة المستحاضة ، تغتسل وتصلی . (دارقطنی ج ۱ ص ۲۱۰)

”حضرت حسن رحمہ اللہ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا،

حائضہ عورت جب دس دن سے تجاوز کر جائے تو وہ بمنزلہ مستحاضہ عورت کے ہے، غسل کر کے نماز پڑھے گی۔“

(حدیث اور اہلحدیث : ص ۲۲۷)

**تبصرہ :** اس کی سند کئی وجہ سے ”ضعیف“ و مردود ہے:

① اس میں ہشام بن حسان راوی ”مدلس“ ہیں، جو بصیغہ ”عن“ امام حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کر رہے ہیں، امام علی بن المدینی اور امام ابو حاتم رحمہما اللہ نے ان کو ”مدلس“ کہا ہے۔ (طبقات المدلسین: ۴۷)

② حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس کی روایت اگر امام حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح رحمہما اللہ سے ہو تو اس میں کلام ہوتی ہے۔ (تقریب التہذیب: ۸۲۰)

امام اسماعیل بن علیہ کہتے ہیں: کنا لا نعدّ ہشام بن حسان فی الحسن شیئاً .  
”ہشام بن حسان جب حسن بصری سے روایت کرتے تو ہم ان کو کچھ بھی شمار نہیں کرتے تھے۔“

(الجرح والتعديل: ۵۶۸)

یہ جرح مفسر ہے، لہذا روایت ”ضعیف“ ہے۔

③ اس میں ایک علت امام حسن بصری رحمہ اللہ کی ”تدلیس“ بھی ہے۔

④ ایک وجہ ضعف ”انقطاع“ بھی ہے، امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فانّ الحسن لم يسمع من عثمان بن أبي العاص. ”حسن بصری نے عثمان بن ابی العاص سے نہیں سنا۔“ (المستدرک للحاکم: ۱/ ۱۷۶)

**تقلیدی دلیل نمبر ۶:** [عن سفیان قال: أقلّ الحيض ثلاث وأكثره عشر .

(دارقطنی ج ۱ ص ۲۰)

”حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔“

(حدیث اور اہلحدیث: ص ۲۲۶)

**تبصرہ:** یہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے، نہ قرآن ہے، نہ حدیث ہے، نہ قول صحابی ہے، نہ

اجماع امت ہے اور نہ قول ابی حنیفہ، بعض الناس اپنے امام ابو حنیفہ سے یہ بات باسنہج ثابت کرنے سے تو قاصر رہے، ان سے ہمارا سوال ہے کہ آپ امام ابو حنیفہ کے اندھے مقلد ہیں یا امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے؟ یہ ان لوگوں کی حیض کے متعلق کم از کم اور زیادہ سے زیادہ دنوں کی تعیین کے بارے میں کل کائنات تھی، جس کا حشر آپ نے دیکھ لیا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے عورت کے ماہانہ ایام کی گنتی کی تعیین ثابت نہیں کر سکے، صرف ”موضوع“ (من گھڑت) اور ”ضعیف“ روایت پیش کر کے سادہ لوح عوام کو یہ باور کروانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلے میں حدیثی دلائل رکھتے ہیں، جب کہ دلائل و براہین سے یہ لوگ سرے سے ہی خالی ہیں، ایک بھی روایت اصولی محدثین کے مطابق ثابت کرنے سے قاصر ہیں، لیکن اس

کے باوجود یہ بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں:

”احادیث و آثار سے تو حیض کی اقل و اکثر مدت ثابت ہو رہی ہے۔“ (حدیث اور اہلحدیث: ص ۲۲۸)

قارئین کرام! انصاف شرط ہے، بتائیں کہ اہل حق کے دلائل اس طرح کے ہوتے ہیں؟

امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے فرمایا، حیض کا کم از کم وقت ایک دن ہے۔ ❀

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ۱/ ۳۲۰، وسندہ حسن، سنن الدارمی: ۱/ ۲۱۷، ح: ۸۵۰، سنن الدارقطنی: ۱/ ۲۰۷، ح

: ۷۹۰، وصحہ ابن حجر فی الفتح: ۱/ ۴۲۵)

اس سے معلوم ہوا کہ مقلدین کا یہ کہنا غلط ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن ہے۔

عورت کے ایام مخصوصہ کی تعیین کے بارے میں قرآن و حدیث اور اجماع امت میں کوئی دلیل موجود نہیں، لہذا اس مسئلے میں کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

یہی بات حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے مخالفین کے دلائل کا رد کر کے راجح قرار دی ہے۔ ❀

(المحلی لابن حزم: ۲/ ۲۰۰-۲۰۳)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (مجموع الفتاوی: ۱۹/ ۲۳۷) ❀

ابن ترکمانی حنفی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ حیض (کی مقدار ایام) کے بارے میں نہ کوئی نص (دلیل) ہے اور نہ اجماع امت، رہی عادت تو وہ مختلف ہے، جیسا کہ عطاء رحمہ اللہ وغیرہ سے گزر چکا ہے۔ ❀

(الجوہر النفی: ۱/ ۳۲۰)

محمد سرفر از خان صفدر حیاتی صاحب لکھتے ہیں: ”علامہ زیلعی نصب الراية ج ۱ ص ۱۵۱ - ج ۱ ص ۱۵۶ تک میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مبنی بر انصاف بات یہ ہے کہ حیض کے اقل و اکثر کی تعیین

کے بارے میں کسی فریق کے پاس کوئی صحیح، مرفوع اور صریح روایت نہیں، مبارک پوری تحفة الاحوذی ج ۱ ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ کتاب وسنت سے اقل و اکثر کی تعیین نہیں، صرف عرف اور عادت کے ذریعے

اس کی تعیین کی گئی ہے۔“ (خزائن السنن: ۱/ ۲۲۸)

### خلاصۃ التحقیق :

عورت کے ماہانہ ایام کی کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔



## پندرہ شعبان کی رات خصوصی عبادت

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

پندرہ شعبان کی رات خصوصی نیت سے عبادت کرنا اور صبح کو روزہ رکھنا نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین و ائمہ دین سے ثابت نہیں، بلکہ بعض علمائے کرام نے اسے بدعت تک قرار دیا ہے، اس رات عبادت کے قائلین کے دلائل کا جائزہ پیش خدمت ہے:

**دلیل نمبر ① :** سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا كانت ليلة نصف من شعبان ، فقوموا ليلها ، وصوموا نهارها ، فان الله ينزل فيها لغروب الشمس الى سماء الدنيا ، فيقول : ألا من مستغفر فأغفر له ، ألا من مسترزق فأرزقه ، ألا مبتلى فأعافيه ، ألا كذا ، ألا كذا ، حتى طلع الفجر .

”جب پندرہ شعبان کی رات ہو تو اس میں قیام کرو اور اس کے دن کا روزہ رکھو، اس رات اللہ تعالیٰ غروب آفتاب کے بعد ہی آسمان دنیا پر نزول فرمالتے ہیں اور فرماتے ہیں، کوئی معافی کا طلب گار ہے، میں اسے معاف کر دوں؟ کوئی رزق کا طلب گار ہے، میں اسے رزق عطا کر دوں؟ کوئی بیمار ہے، میں اسے صحت و عافیت سے نواز دوں؟ کوئی ایسا ہے، کوئی ایسا ہے؟ اللہ تعالیٰ یہی فرماتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی ہے۔“ (سنن ابن ماجہ: ۱۳۸۸، العلل المتناہیۃ لابن الجوزی: ۲، ۷۷، ح: ۹۲۲)

**تبصرہ :** یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، حافظ نووی رحمہ اللہ نے اس کو ”ضعیف“ کہا ہے۔

(خلاصة الاحکام: ۱/ ۶۱۷)

اس کا راوی (ابوبکر بن عبد اللہ بن محمد) ابن ابی سبرۃ ”کذاب“ اور ”وضاع“ ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يضع الحديث. ”یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔“ (الجرح والتعديل: ۳۰۶/۷)

**دلیل نمبر ② :** سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

”ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ پندرہویں شعبان کو رات کے وقت میری باری تھی، رسول اللہ ﷺ میرے پاس سوئے ہوئے تھے، جب آدھی رات ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر سے گم پایا، مجھے ناگواری ہوئی، جیسے عورتوں کی عادت ہوتی ہے، میں نے چادر اوڑھ لی، اللہ کی قسم! وہ چادر نہ اون اور ریشم کی تھی، نہ خام ریشم کی تھی، نہ ہی ریشم کی تھی، نہ ہی ریشمین کپڑے کی تھی، جس کا تانا بانا ریشم کا ہوتا ہے، نہ روئی کی تھی، نہ ہی سنی

کے کپڑے کی تھی، پوچھا گیا، وہ چادر کس چیز کی بُنی ہوئی تھی؟ فرمایا، اس کا تانا بکری کے بالوں کا اور بانا اونٹ کی بالوں سے بُنا گیا تھا، میں نے آپ ﷺ کو دیگر ازواج کے حجروں میں تلاش کیا، وہاں بھی آپ ﷺ نہ ملے، میں اپنے حجرے میں واپس لوٹ آئی، ناگہاں آپ ﷺ پر ایک کپڑا تھا جو زمین پر گرا ہوا تھا، آپ حالتِ سجدہ میں تھے اور یہ دعا پڑھ رہے تھے: **سجد لله سوادى وخيالى، وآمن بك فوادى، هذه يدى، وما جنيت بها على نفسى، يا عظيم الرجاء لكل عظيم، اغفر الذنب العظيم، سجد وجهى للذى خلقه، وشق سمعه.**

آپ ﷺ فارغ ہو کر میرے ساتھ چادر میں گھس گئے، اس رات میرا سانس پھول گیا، مجھے کیا ہو گیا، میں نے ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، سانس کیوں پھول رہا ہے؟ میں نے ساری کاروائی کے بارے میں آپ ﷺ کو آگاہ کیا، آپ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے گھٹنوں پر پھیرنا شروع کیا اور فرمایا، ناس ہوا ان دونوں گھٹنوں کی جو اس رات پندرہویں شعبان کو نزل سکے (یعنی عبادت نہ کر سکے)، اس رات اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر اترتا ہے، مشرک اور اپنے مسلمان بھائی سے بغض و عداوت رکھنے والے کے علاوہ اپنے تمام بندوں کی بخشش فرمادیتے ہیں۔

(کتاب احادیث التَّزْوِل للدارقطنی: ۱۳۴، کتاب الدعاء للطبرانی: ۵۵۷، شعب الایمان للبيهقي: ۳۸۳۸)

**تبصرہ:** اس کی سند ”ضعیف“ ہے، اس میں سلیمان بن ابی کریم الشامی راوی ”ضعیف“ ہے،

جو کہ منکر روایات بیان کرتا ہے، امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ اسے ”ضعیف“ کہتے ہیں۔ (الجرح والتعديل: ۱۳۸/۴)

✿ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وعامة أحاديثه مناكير .

”اس کی سب احادیث منکر ہیں۔“ (الکامل لابن عدی: ۲۶۳/۳)

✿ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یحدث بمناکیر، ولا يتابع على كثير من حديثه .

”یہ منکر روایات بیان کرتا ہے، اس کی کثیر روایات پر متابعت نہیں کی گئی۔“ (الضعفاء للعقيلي: ۱۳۸/۴)

✿ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لیس صاحب المناکیر . ”کمزور راوی ہے، منکر حدیثیں

بیان کرتا ہے۔“ (المغنی للذهبی: ۴۴۳/۱)

✿ حافظ یثربی رحمہ اللہ نے اس کو ”ضعیف“ کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: ۱۰۱۹/۷، ۴۳/۰۸۹، ۲۵۸، ۴۱۸)

لہذا یہ حدیث ”ضعیف“ اور ناقابلِ عمل ہے۔

حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں: ”ہذا حدیث لا یصح“. ”یہ حدیث صحیح نہیں۔“ (العلل المتناہیة: ۶۸/۲)  
 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”وفی اسنادہ سلیمان بن ابی کریم، ضعفہ ابن عدی، فقال: عامة أحادیثہ منکیر۔“ ”اس کی سند میں سلیمان بن ابی کریم راوی ہے، اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے امام ابن عدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی اکثر احادیث منکر ہوتی ہیں۔“ (التلخیص الحبیبر: ۲۵۴/۱)  
 اس حدیث کے طرق بھی ہیں:

- ① (کتاب احادیث النزول للدارقطنی: ۱۳۵ فضائل الاوقات للبيهقي: ۲۶)  
 اس کی سند ”ضعیف“ ہے، اس کا راوی النضر بن کثیر ”ضعیف“ ہے۔ (تقریب التہذیب: ۷۱۴۷)
- ② (فضائل الاوقات للبيهقي: ۲۷، العلل المتناہیة: ۹۱۸)  
 اس کی سند بھی ”ضعیف“ ہے، سعید بن عبد اللہ کریم راوی کی توثیق مطلوب ہے۔
- ③ (شعب الایمان للبيهقي: ۳۸۳۵) یہ ”مرسل“ ہونے کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے، کیونکہ العللاء بن الحارث کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں ہے، اس میں ایک اور وجہ ضعف بھی ہے۔
- ④ (میزان الاعتدال للذهبي: ۴/ ۵۵ فی ترجمة محمد بن يحيى)  
 اس کی سند ”ضعیف“ ہے، محمد بن یحییٰ بن اسماعیل التمیمی التمار کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لیس بالمرضی“۔  
 ”پسندیدہ راوی نہیں ہے۔“ (سوالات حمزة بن يوسف السهمي للدارقطنی: ۳۱)
- ⑤ (شعب الایمان للبيهقي: ۳۸۳۷) اس کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے، سلام الطویل نامی ”متروک“ ہے۔ (تقریب التہذیب: ۲۷۰۲)
- ⑥ (معجم الشيوخ لابی بكر الاسماعيلي: ۵۹-۴۸/۱) اس کی سند ”مجهول“ راویوں کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔
- ⑦ (العلل المتناہیة لابن الجوزی: ۲/ ۶۹، ح: ۹۱۹)  
 اس کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے، اس کا ایک راوی عطاء بن عجلان ”متروک وکذاب“ اور ”وضاع“ ہے۔  
 ثابت ہوا کہ اس حدیث کے جمیع طرق ”ضعیف“ ہیں۔

**دلیل نمبر ③:** سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو



بستر سے گم پایا، میں آپ کی تلاش میں نکلی، اچانک دیکھا کہ آپ بقیع میں ہیں اور اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہیں، بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا، کیا آپ کو اس بات کا خدشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول آپ پر ظلم کریں گے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، میں نے کہا، اے اللہ کے رسول! ایسی کوئی بات نہیں ہے، لیکن میرا یہ گمان تھا کہ آپ اپنی بعض ازواج کے ہاں تشریف لے گئے ہوں گے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ كُلَّ لَيْلَةٍ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ، فيَغْفِرُ مِنَ الذَّنُوبِ أَكْثَرَ مِنْ شَعْرِ غَنَمٍ كَلْب . ”اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات کو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور کلب قبیلہ کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔“ (سنن الترمذی : ۷۳۹، سنن ابن ماجہ : ۱۳۸۹، مسند الامام احمد : ۶/ ۲۳۸، کتاب احادیث النزول للدارقطنی : ۱۳۰، مسند عبد بن حمید : ۱۵۰۷، شعب الایمان للبيهقي : ۳۸۲۴، العلل المتناهية لابن الجوزي : ۹۱۵، وسندہ ضعیف)

**تبصرہ ① :** امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سمعت محمدا يصعّف هذا الحديث ... وقال : يحيى بن أبي كثير لم يسمع من عروة والحجاج بن أوطاة لم يسمع من يحيى بن أبي كثير . ”میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دے رہے تھے، آپ نے فرمایا، یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے اور حجاج بن اوطاة نے اس حدیث کو یحییٰ بن ابی کثیر سے نہیں سنا۔“

(جامع ترمذی، تحت حدیث : ۷۳۹)

② حجاج بن اوطاة جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہیں، نیز ”مدلس“ بھی ہیں۔

③ اس میں یحییٰ بن ابی کثیر راوی بھی ”مدلس“ ہیں جو کہ ”عن“ سے روایت کر رہے ہیں۔

**دلیل نمبر ④ :** سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من احيا الليالي الخمس وجبت له الجنة ....

”جس نے پانچ راتوں کو زندہ کیا (بیدار ہو کر عبادت کی) اس کے لیے جنت واجب ہوگئی، تو یہ آٹھ ذوالحجہ کی رات، عرفہ کی رات، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی راتیں اور پندرہ شعبان کی رات۔“

(الترغيب والترهيب للصبهاني : ۳۶۷)

**تبصرہ :** یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، اس کا راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم جمہور

کے نزدیک ”ضعیف“ ہے، امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: روى عن أبيه أحاديث موضوعة .

”اس نے اپنے باپ سے موضوع احادیث بیان کی ہیں۔“ (المدخل للحاکم: ص ۱۵۴)

یہ روایت بھی اس نے اپنے باپ سے بیان کی ہے، لہذا موضوع (من گھڑت) ہے۔

**دلیل نمبر ۵ :** سیدنا ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پانچ

راتوں میں دعا در نہیں ہوتی، ان میں سے ایک پندرہویں شعبان کی رات ہے۔ (تاریخ دمشق: ۱۰/ ۴۸۷)

**تبصرہ :** یہ روایت بھی موضوع من گھڑت ہے، اس کا راوی ابراہیم بن ابی یحییٰ اگر اسلامی ہے

تو جہور کے نزدیک ”ضعیف و متروک“ ہے، اس کے استاذ ابو نعیم کے حالات و توثیق مطلوب ہے، نیز اس کا سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے سماع بھی مطلوب ہے، اس روایت میں اور بھی علت ہے۔

**فائدہ :** شعبان کی پندرہویں شب کو خصوصی نیت سے عبادت کرنا اور اس کے دن کا روزہ رکھنا نبی

اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین و ائمہ دین سے قطعاً ثابت نہیں ہے، بلکہ بعض نے اسے بدعت قرار دیا ہے، اسی طرح سو رکعات کے بارے میں جو روایت ہے، وہ جھوٹی ہے، ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں:

والعجب ممّن شمّ رائحة العلم بالسنة أن يغترّ بمثل هذا الهذيان ويصليها وهذا الصلاة وضعت في الاسلام بعد الأربعة عشر ونشأت في بيت المقدس .

”تعجب ہے اس پر جس نے علم حدیث کی خوشبو سونگھی، پھر بھی اس طرح کی فضول اور لایعنی روایات سے دھوکہ کھا کر یہ نماز ادا کرتا ہے (یعنی سو رکعت نماز پڑھتا ہے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص دس بار پڑھتا ہے)، یہ نماز اسلام میں چار سو سال بعد بیت المقدس میں شروع ہوئی۔“

(الاسرار المرفوعة في الاخبار الموضوعه از ملا علی القاری: ۴۴۰)

اس نماز کو حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مذموم و منکر اور بدعت قرار دیا ہے۔ (خلاصۃ الاحکام للنووی: ۱/ ۶۱۶)

**الحاصل :** پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت میں کوئی حدیث ”صحیح“ ثابت نہیں، ”ضعیف“ پر عمل

کرنا فضائل میں بھی صحیح نہیں، کیونکہ فضائل بھی دین میں شامل ہیں اور ”ضعیف“ حدیث دین نہیں، دین تو صرف صحیح احادیث کا نام ہے، کسی صحابی یا کسی ثقہ تابعی سے اس رات کو خاص نیت اور اہتمام سے عبادت کرنا ثابت نہیں، جو کچھ اس بارے میں بیان کیا جاتا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔



## ”شبِ براءت“ کی شرعی حیثیت

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری  
پندرہویں شعبان کی رات (المعروف شبِ براءت) کی فضیلت کے بارے میں کوئی حدیث ”صحیح“ ثابت نہیں ہے۔

علامہ ابن العربی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وليس في ليلة النصف من شعبان حديث يعول عليه ، لا في فضلها ، ولا في نسخ الآجال فيها ، فلا تلتفتوا اليها .

”پندرہویں شعبان کی رات کے بارے میں کوئی بھی قابلِ اعتماد حدیث موجود نہیں ہے، نہ اس کی فضیلت کے بارے میں اور نہ اس میں عمریں لکھے جانے کے بارے میں، لہذا (ثواب کی نیت سے) تم اس کی طرف التفات ہی نہ کرو۔“ (احکام القرآن لابن العربی: ۱۶۹۰/۴)

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لا يصح منها شيء . ”پندرہویں رات کی فضیلت کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث میں سے کوئی بھی ثابت نہیں۔“ (المنار المنيف: ۹۸-۹۹)

جناب محمد یوسف بنوری دیوبندی لکھتے ہیں: ولم أقف على حديث مسند مرفوع صحيح في فضلها . ”پندرہویں شعبان کی رات کی فضیلت کے بارے میں مجھے کوئی متصل سند والی، مرفوع اور صحیح حدیث نہیں ملی۔“ (معارف السنن: ۵/ ۴۹۹)

جناب تقی عثمانی دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں: ”شبِ براءت کی فضیلت میں بہت سی روایات مروی ہیں، جن میں سے بیشتر علامہ سیوطی نے الدر المنثور میں جمع کر دی ہیں، یہ تمام روایات سنداً ضعیف ہیں۔“ (درس ترمذی از تقی: ۵۷۹/۲-۵۸۰)

**تنبیہ:** محدث البانی رحمہ اللہ نے پندرہویں شعبان کی رات کی فضیلت والی ایک روایت کو مختلف طرق کی بنا پر ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ (السلسلة الصحيحة: ۱۱۴۴)

آئیے اب ہم انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ ان سب کے بارے میں تحقیق پیش کرتے ہیں:

### ① حدیثِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ:

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يطلع الله الى خلقه ليل النصف من شعبان ، فيغفر لجميع خلقه الا مشرك او مشاحن .  
 ”اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات کو اپنی مخلوق کی طرف خصوصی توجہ فرماتے ہیں، مشرک اور اپنے  
 مسلمان بھائی سے بغض و عداوت اور دشمنی و کینہ رکھنے والے کے علاوہ اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرمادیتے ہیں۔“

(کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ۵۱۲، المعجم الكبير للطبرانی: ۲۰، ۱۰۸/ صحیح ابن حبان (الاحسان: ۵۶۳۶)،

المعجم الاوسط للطبرانی: ۲۹۷/، ح: ۶۷۷۲، شعب الایمان للبيهقي: ۲، ۲۸۲/، ح: ۳۸۳۳)

**تبصرہ:** اس روایت کی سند ”ضعیف“ ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”مکحول لم یلق مالک بن یخامر .“ ”مکحول نے مالک بن یخامر سے ملاقات نہیں کی۔“

(السلسلة الصحيحة: ۱۱۴۴)

لہذا یہ سند ”منقطع“ ہوئی اور ”منقطع“ حدیث ”ضعیف“ ہوتی ہے، امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ ایک  
 ”منقطع“ روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ”ولیس هذا الخبر من شرطنا ، لأنه غير متصل ، لسنا  
 نحتج في هذا الجنس من العلم بالمراسيل المنقطعات .“

”یہ حدیث ہماری شرط پر صحیح نہیں، کیونکہ اس کی سند متصل نہیں، ہم (محدثین) اس طرح کی مرسل و  
 منقطع روایات سے حجت نہیں پکڑتے۔“ (کتاب التوحید لابن خزيمة: ۱/ ۲۴۶-۲۴۷)

**تنبیہ:** مکحول تابعی رحمہ اللہ کا قول ہے: ”ان الله يطلع على أهل الأرض في النصف

من شعبان ، فيغفر لهم ألا لرجلين ، ألا كافر أو مشاحن .“

”اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات کو اہل زمین پر خصوصی توجہ فرماتے ہیں، دو شخصوں، کافر اور اپنے  
 بھائی سے بغض و عداوت رکھنے والے کے علاوہ سب کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔“

(شعب الایمان للبيهقي: ۳۸۷/، ح: ۳۸۳۰، وسنده حسن)

عین ممکن ہے کہ مکحول تابعی رحمہ اللہ کے اس قول کو ”ضعیف“ اور کمزور راویوں نے ”مرفوع“ حدیث بنا دیا ہو۔

**تنبیہ:** امام طبرانی کی المعجم الاوسط (۱/ ۱۳۰، ح: ۲۵۰) میں مکحول راوی خالد بن معدان

عن کثیر بن مرة کے واسطہ سے بیان کرتا ہے، یہ سند بھی ”ضعیف“ ہے، اس میں سلیمان بن احمد الواسطی راوی  
 جہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے، نیز اس میں امام طبرانی کے استاذ احمد بن حسین بن مدرک کی توثیق بھی

مطلوب ہے۔

② **حدیث ابی ثعلبہ** رضی اللہ عنہ : سیدنا ابولثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا كان ليلة النصف من شعبان يطلع الله على خلقه، فيغفر للمؤمنين، ويترك أهل الضغائن، وأهل الحقد بحقدهم.

”جب پندرہویں شعبان کی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف خصوصی توجہ فرماتے ہیں اور مومنوں کو معاف فرمادیتے ہیں، جبکہ مسلمان بھائی سے دشمنی، حسد و کینہ، بغض و عداوت رکھنے والوں کو معاف نہیں فرماتے ہیں۔“ (کتاب السنۃ لابن ابی عاصم: ۵۱۱ المعجم الكبير للطبرانی: ۲۲/ ۲۲۴)

**تبصرہ :** اس کی سند ”ضعیف“ ہے، اس کا راوی احوص بن حکیم ”ضعیف الحفظ“ ہے۔ (التقريب: ۲۹۰)

✽ حافظ ہاشمی فرماتے ہیں: وضعفه الجمهور . (مجمع الزوائد: ۴۲/۳)

نیز مہاصر بن حبیب کی ابولثعلبہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں، کتاب العرش (۸۷) کی سند میں کھول کا واسطہ ہے، لیکن وہ سند بشر بن عمارہ ”ضعیف“ کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔

المعجم الكبير للطبرانی (۲۲/ ۲۲۳، ح: ۵۹) میں بشر بن عمارہ کی متابعت عبدالرحمن بن محمد المحارب نے کی ہے، لیکن اس کو امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ (الضعفاء: ۲/ ۳۴۸) اور امام عجل رحمۃ اللہ علیہ (تہذیب التہذیب: ۶/ ۲۴۴) وغیرہ نے ”مدلس“ قرار دیا ہے، نیز اس سند میں ایک علت یہ ہے کہ اس کے راوی محمد بن آدم المصیصی کے حالات معلوم نہیں ہو سکے، لہذا یہ متابعت مفید نہیں ہے۔

③ **حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص** رضی اللہ عنہ :

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يطلع الله عز وجل خلقه ليلة النصف من شعبان، فيغفر لعباده الا اثنتين مشاحن وقاتل نفس. ”اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات کو اپنی مخلوق کی طرف خصوصی نگاہ فرماتے ہیں، مسلمان بھائی سے عداوت رکھنے والے اور قاتل کے علاوہ اپنے تمام بندوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔“ (مسند الامام احمد: ۲/ ۱۷۶)

**تبصرہ :** یہ سند ”ضعیف“ ہے، اس میں ابن لہیعہ ”ضعیف“ اور ”مختلط“ راوی موجود ہے اور اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ موسیٰ بن حسن نے یہ حدیث ابن لہیعہ سے اختلاط سے پہلے سنی ہے۔ اسی لیے حافظ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رواه أحمد باسناد لين .

”اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔“ (الترغیب والترہیب: ۴۶۰/۳)

امام البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رشدین بن سعد نے ابن لہیعہ کی متابعت کی ہے۔

(حدیث ابن حبویہ: ۱۰/۳ ۰۷/ السلسلۃ الصحیحۃ)

رشدین بن سعد ”ضعیف“ ہے (تقریب التہذیب: ۱۹۴۳) حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ضعفہ الجمهور . ”اسے جمهور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (مجمع الزوائد: ۱/ ۵۰۱۶/ ۶۶)

لہذا یہ متابعت بے فائدہ ہے، اس سے ضعف ختم نہیں ہو سکتا۔

④ **حدیث ابی موسیٰ** رضی اللہ عنہ: سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ لِيَطْلُعَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ ، فيَغْفِرُ لَجَمِيعِ خَلْقِهِ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ . ”اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات کو خصوصی توجہ فرماتے ہیں اور اپنی تمام مخلوق کو ماسوائے

مشرک اور کینہ پرور کے معاف کر دیتے ہیں۔“ (سنن ابن ماجہ: ۱۳۹۰، السنن الثانی، السنۃ لابن ابی عاصم: ۵۱۰)

**تبصرہ:** اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ: ① اس میں ابن لہیعہ راوی ”ضعیف و دلس و

مخلوط“ ہے۔ ② زبیر بن سلیم ”مجہول“ ہے۔ (تقریب التہذیب: ۱۹۹۶)

③ عبد الرحمن بن عرزب بھی ”مجہول“ ہے۔ (التقریب: ۳۹۵۰)

④ ابن ماجہ کی پہلی سند بھی ”ضعیف“ ہے، کیونکہ: ① اس میں مذکور راوی ابن لہیعہ موجود

ہے۔ ② اس میں ولید بن مسلم موجود ہے، جو کہ ”تدلیس التسویہ“ کا مرتکب ہے۔

③ ضحاک بن امین ”مجہول“ ہے۔ (التقریب: ۲۹۶۵)

⑤ **حدیث ابی ہریرہ** رضی اللہ عنہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا كان ليلة النصف من شعبان ، يغفر الله لعباده اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ .

”جب شعبان کی پندرہویں رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ مشرک اور بغض و عداوت رکھنے والے کے علاوہ

اپنے تمام بندوں کی بخشش فرماتا ہے۔“ (كشف الاستار عن زوائد البزار: ۲/ ۴۳۷، ح: ۰۲۰۴۶، العلل المتناہیۃ: ۲/ ۷۰)

**تبصرہ:** اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ اس کا راوی ہشام بن عبد الرحمن ”مجہول“ ہے۔

حافظ بیہقی فرماتے ہیں: ولم أعرفه . ”میں اس کو نہیں جان سکا۔“ (مجمع الزوائد: ۸/ ۶۵)

راوی کی جہالت موجب ضعف ہوتی ہے، کیونکہ اس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہوتا، جبکہ روایت کی

قبولیت کے لیے اس کے راویوں کا عادل ہونا ضروری ہے۔

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ ایک راویہ کے بارے میں لکھتے ہیں: زینب هذه مجهولة ، لا تقيم بها حجة .

”یہ زینب مجہولہ ہے، اس کی روایت سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔“ (سنن الدارقطنی: ۱/ ۱۴۷، ح: ۴۹۸)

❁ امام طبری رحمہ اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ (فتح الباری لابن حجر: ۱۰/ ۱۹۵)

❁ امام ابن المنذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: والمجهول لا يجوز الاحتجاج بحديثه ، اذ هو فى

معنى المنقطع الذى لا تقوم به الحجة . ”مجهول راوی کی حدیث سے حجت پکڑنا جائز نہیں، یہ

منقطع ہوتی ہے، جس سے حجت قائم نہیں ہو سکتی۔“ (الایوسط لابن المنذر: ۲/ ۲۲۳)

① **حدیث ابی بکر رضی اللہ عنہ:** سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: ينزل الله تبارك وتعالى فى ليلة النصف من شعبان الى السماء الدنيا ،

فيغفر لكل نفس الا انسان فى قلبه شحنة او مشرك بالله عز وجل . ”شعبان کی پندرہویں

رات اللہ تبارک و تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں، ہر جان کی بخشش فرماتے ہیں، سوائے اس انسان کے

جس کے دل میں بغض و عداوت ہو یا اللہ عز و جل کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہو۔“ (السنة لابن ابی عاصم: ۵۰۹، کتاب

التوحيد لابن خزيمة: ح: ۲۰۰، كشف الاستار: ۲/ ۴۳۵، شعب الايمان للبيهقي: ۳۸۲۷، اخبار اصفهان لابی نعیم: ۲/ ۲۷)

**تبصرہ:** اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی عبد الملک بن عبد الملک جمہور کے نزدیک مجروح ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

کہ وہ ”متروک“ ہے۔ (سوالات البرقانی: ۳۰۴)، امام بخاری رحمہ اللہ اس کے بارے میں فیہ نظر فرماتے

ہیں۔ (التاریخ الكبير: ۴۲۴/۵)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: منكر الحديث جداً . ”یہ سخت ترین منکر الحدیث ہے۔“

(کتاب المجروحین لابن حبان: ۱۳۷/۲)

② مصعب بن ابی ذئب کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”متروک“ ہے۔

(سوالات البرقانی: ۵۰۸)

④ **حدیث عوف بن مالک رضی اللہ عنہ:**

اس حدیث کو ابن ابیہی نے عبد الرحمن بن زیاد بن أنعم عن عبادة بن نسي عن كثير بن مرة



عن عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی سند سے بیان کیا ہے۔

(كشف الاستار: ۲/ ۴۳۶، المجلس السابع لابی محمد الجوهری: الصحيحة: ۳/ ۱۳۷)

**تبصرہ:** اس کی سند ”ضعیف“ ہے، اس کی سند میں عبدالرحمن بن زیاد بن انعم الافريقی راوی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے، یہ ”مدلس“ بھی ہے۔

✿ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: عبدالرحمن بن زیاد الافريقی، وهو ضعيف بالاتفاق.

”عبدالرحمن بن زیاد الافريقی بالاتفاق ضعيف راوی ہے۔“ (خلاصة الاحكام للنووی: ۱/ ۴۴۹)

✿ اس کو امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے المجروحین (۲/ ۵۰) میں ذکر کیا ہے اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”مدلس“ قرار دیا ہے۔

⑧ **حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا:** سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الله عز وجل ينزل ليلة النصف من شعبان الى السماء الدنيا، فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب.

”اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات کو آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور کلب قبیلہ کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ انسانوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔“ (سنن الترمذی: ۱/ ۱۰۶، ح: ۷۳۹، سنن ابن ماجہ:

۱۳۸۹، مسند الامام احمد: ۶/ ۲۳۸، شعب الايمان للبيهقي: ۳۸۲۴، مسند عبد بن حميد: ۱۰۵۰۷، العلل المتناهية: ۲/ ۶۶)

**تبصرہ:** اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

① امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ یہ حدیث ضعیف

ہے، اسے یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے اور حجاج بن ارطاة نے یحییٰ بن ابی کثیر سے نہیں سنا۔“ (جامع ترمذی: ۷۳۹)

② حجاج بن ارطاة جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ اور ”مدلس“ ہے، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”حجاج بن ارطاة جمہور کے نزدیک حجت نہیں ہے۔“ (میزان الاعتدال: ۴/ ۲۹۶)

حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: الحجاج بن أرطاة، اتفقوا على أنه مدلس وضعفه

الجمهور، فلم يحتجوا به. ”حجاج بن ارطاة راوی بالاتفاق مدلس ہے، اسے جمہور نے ضعیف قرار

دیا ہے، انہوں نے اس سے حجت نہیں پکڑی۔“ (تہذیب الاسماء واللغات للنووی: ۱/ ۱۵۲)

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ضعفه الجمهور. (طرح التثريب لابن العراقي: ۴۳)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: فان الأكثر على تضعيفه، والاتفاق على أنه مدلس.

”اکثر محدثین اسے ضعیف کہتے ہیں، اس کے مدلس ہونے پر تو اجماع و اتفاق ہے۔“ (التلخیص الحبییر: ۳۳۷/۲)

۳) اس حدیث کے تین شواہد ہیں: (العلل المتناہیة لابن الجوزی: ۶۸، ۶۷/۲، ح: ۹۱۷)

یہ سلیمان بن ابی کریم کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے، کیونکہ یہ ”ضعیف“ راوی ہے اور مکرر روایات بیان کرتا تھا۔

❀❀❀ (العلل المتناہیة لابن الجوزی: ۶۸، ۶۹، ح: ۹۱۸)

اس کی سند بھی ”ضعیف“ ہے، سعید بن عبد الکریم الواسطی کی توثیق مطلوب ہے۔

❀❀❀ (العلل المتناہیة لابن الجوزی: ۶۹/۲، ح: ۹۱۹)

اس کی سند میں عطاء بن عجلان ”کذاب و متروک“ موجود ہے، لہذا ”ضعیف“ ہے۔

یہ وہ آٹھ روایات ہیں جن کی بنا پر امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”صحیح“ کہا ہے، ان کا ضعف واضح ہے، لہذا ان کی بنا پر اس حدیث کو ”صحیح“ کہنا صحیح نہیں، بلکہ خطا ہے، کیونکہ ضعیف طرق کی بنا پر حدیث ”صحیح“ نہیں ہو جاتی۔

**الحاصل:** یہ حدیث اپنی جمع سندوں کے ساتھ ”ضعیف“ ہے، علماء کی تصریحات بھی گزر چکی ہیں۔

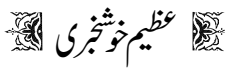
ضعیف حدیث سے حجت پکڑنا صحیح نہیں ہے، جیسا کہ امام الائمہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا نحتج بالمراسیل ولا بالأخبار الواہیة۔ ”ہم مرسل روایات سے حجت نہیں پکڑتے، نہ ہی

ضعیف حدیثوں سے دلیل لیتے ہیں۔“ (کتاب التوحید لابن خزیمہ: ۱/۱۳۷)

امام ترمذی رحمہ اللہ ایک ضعیف حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: لا تقوم بمثلہ الحجۃ۔

”اس طرح کی ضعیف روایات سے حجت قائم نہیں ہوتی۔“ (جامع ترمذی، تحت حدیث: ۹۳۱)



**دورہ نحو ۲۶ شعبان-۲۶ رمضان ان شاء اللہ**

**مدرسین:** فضیلۃ الشیخ مولانا محمد یوسف قصوری رحمہ اللہ،

فضیلۃ الشیخ مولانا اقبال بن رمضان قصوری رحمہ اللہ

0300-8014092 سر سید احمد خاں (مرکز اسلامیات) مدرسہ اسلامیہ  
049-4563195 گندھیان اوتار محلہ پتوٹہ ضلع قصور

الدلیل الخیر:

قاری محمد امجد علی شاہ

## قتل اور پھانسی کی نماز

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وكان خبيب هو قتل الحارث بن عامر يوم بدر ، فلبث خبيب عندهم أسيرا ، فأخبرني عبيد الله بن عياض أن بنت الحارث أخبرته أنهم حين اجتمعوا استعار منها موسى يستحذ بها ، فأعارتها ، فأخذ ابنا لي ، وأنا غافلة حين أتاه ، قالت : فوجدته مجلسه علي فخذته ، والموسى بيده ، ففزعته فزعة عرفها خبيب في وجهي ، فقال : تخشين أن أقتله ، ما كنت لأفعل ذلك ، والله ما رأيت أسيرا قط خيرا من خبيب ، والله لقد وجدته يوما يأكل من قطف عنب في يده ، وأنه لموثق في الحديد ، وما بمكة من ثمر ، وكانت تقول : أنه لرزق من الله ، رزقه خبيبا ، فلما خرجوا من الحرم ليقتلوه في الحل ، قال لهم خبيب: ذروني أركع ركعتين ، فتركوه ، فركع ركعتين ، ثم قال : لولا أن تظنوا أن ما بي جزع لطلولتهما ..... فقتله ابن الحارث ، فكان خبيب هو سن الركعتين لكل امرئ مسلم قتل صبورا .

”خبیب رضی اللہ عنہ نے ہی بدر والے دن حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، خبیب رضی اللہ عنہ ان کے پاس قید رہے، مجھے عبيد اللہ بن عياض نے خبر دی کہ اسے حارث کی بیٹی نے یہ بات بیان کی کہ جب وہ (مشرکین) سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے لیے جمع ہوئے تو انہوں نے مجھ سے استراٹا گاتا کہ اپنے غیر ضروری بال صاف کر لیں، میں نے ان کو استراٹے دیا، میری غفلت میں میرا بیٹا ان کے پاس چلا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا، میں نے دیکھا کہ آپ اسے اپنی ران پر بٹھائے ہوئے تھے، میں اس قدر ڈر گئی کہ سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ نے میرے چہرے سے گھبراہٹ پہچان لی، فرمانے لگے، کیا تو ڈرتی ہے کہ میں تیرے بیٹے کو قتل کر دوں گا؟ میں ایسا نہیں کرنے والا، اللہ کی قسم! میں نے کبھی خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر قیدی نہیں دیکھا، اللہ کی قسم! میں نے اسے ایک دن اپنے ہاتھوں میں انگوروں کے خوشے پکڑے ہوئے کھاتے دیکھا، حالانکہ مکہ میں کوئی پھل نہ تھا اور وہ لوہے میں جکڑے ہوئے تھے، وہ کہا کرتی تھیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق تھا جو اس نے خبیب رضی اللہ عنہ کو دیا، جب وہ (مشرکین) خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر نکلے تو خبیب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا، مجھے چھوڑو کہ دو رکعتیں ادا کر لوں، انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا، آپ نے دو رکعتیں ادا کیں اور فرمایا، اگر مجھے یہ ڈرنے ہوتا کہ تم یہ سمجھ بیٹھو گے کہ مجھے ڈر لاحق ہو گیا ہے تو میں ان رکعتوں کو لمبا کرتا، پھر آپ کو حارث کے بیٹے نے شہید کر دیا، چنانچہ وہ خبیب رضی اللہ عنہ ہی ہے تھے جنہوں نے ہر باندھ کر شہید کیے جانے والے مسلمان کے لیے دو رکعتیں ادا کرنے کا طریقہ جاری فرمایا۔“ (صحیح بخاری: ۳۰۴۵)